مقالاتِ سیرت
چھٹی قومی سیرت کانفرنس
۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ / ۹-۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء
وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین
وزارتِ مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين
مقالاتِ سیرت
چھٹی قومی سیرت کانفرنس
۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ / ۹-۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء
وما ارسلناك الا رحمة للعالمين
وزارت مذہبی امور ۔ حکومت پاکستان ۔ اسلام آباد

مقالاتِ سیرتؐ

چھٹی قومی سیرتؐ کانفرنس

(۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ/۹-۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء، اسلام آباد
میں پڑھے گئے علمی مقالات)

وزارتِ مذہبی اُمور ○ حکومتِ پاکستان ○ اِسلام آباد
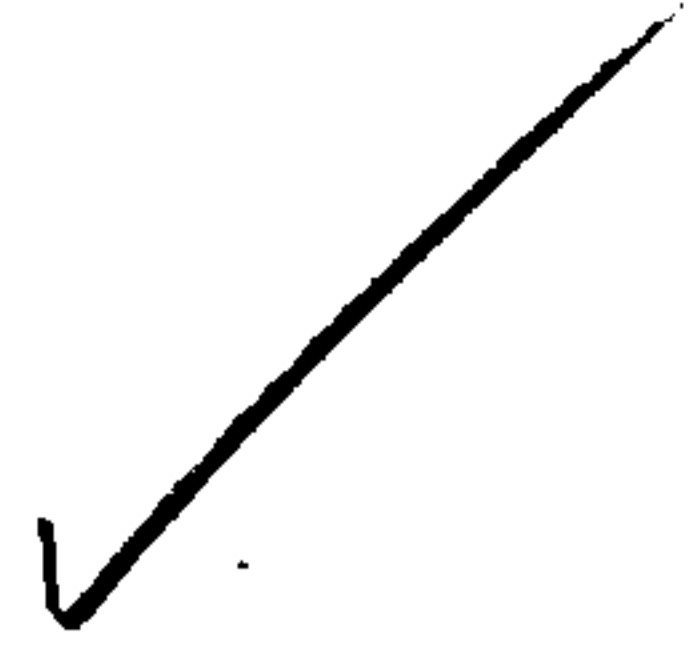
مقالات سیرت

فہرست مضامین (حصہ اردو)

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت اصلاح احوال ' اصلاح اخلاق اور اصلاح معاشرہ کے لئے از حد ضروری ہے ۔ اس کام کے لئے نہ صرف کچھ مخصوص افراد ہی مکلف ہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ اس مبارک و مسعود امر کی ذمے دار ہے ۔ بالخصوص پاکستان چونکہ ایک نظریاتی مملکت ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی اس لئے اس کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ سیرت طیبہ کی نشر و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کرے ۔

جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو بے پناہ اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں اور اس ضمن میں اپنی دلی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے محفل میلاد منعقد کرتے ہیں ۔ اس موقعہ پر صدقہ و خیرات دیتے ہیں ' نوافل پڑھتے ہیں ' غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور سیرت طیبہ کے جلسوں میں جوق در جوق شرکت کرتے ہیں ۔

صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے اس مبارک تقریب کو سرکاری طور پر منانے کے لئے ایک مستقل اور مستحکم ادارہ بنا دیا ہے ۔ خاص طور پر ۱۹۷۹ء میں انہوں نے قوم کو ایک فرمان دیا جس کے مطابق بارہ ربیع الاول کا دن قومی سطح پر منانے کا آغاز ہوا ۔

اس روز سعید کو ملک بھر میں سرکاری ، نیم سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر منایا جاتا ہے ۔ اسی سلسلے میں وفاقی وزارت امور مذہبی ہر سال قومی سطح پر سیرت کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے جس میں ملک کے طول و عرض سے مندوبین شرکت کرتے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

صدر پاکستان کی ہدایات کے مطابق وزارت مذہبی امور نے حسب معمول اس سال بھی ۱۲—۱۳ ربیع الاول کو اسلام آباد میں چھٹی قومی سیرت کانفرنس کا شایان شان طور پر اہتمام کیا جس کا افتتاح صدر مملکت نے ۱۲ ربیع الاول کو قومی اسمبلی ھال اسلام آباد میں فرمایا ۔ آئندہ صفحات میں آپ جن مقالات کا مطالعہ کریں گے وہ سب اس کانفرنس میں پیش کئے گئے تھے ۔

افتتاحی اجلاس میں تقریباً پانچ صد علماء و مشائخ ، دانشور ، وزرائے کرام ، سفرائے عظام اور معزز شہری شامل تھے ۔

تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا ۔ اور بارگاہ رسالت مآب میں ھدیۂ نعت پیش کیا گیا ۔ اس کے بعد وفاقی وزیر امور مذہبی الحاج نواب محمد عباس خاں عباسی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور صدر مملکت سے اجلاس کے افتتاح کی درخواست کی چنانچہ صدر محترم نے اپنا بصیرت افروز خطبہ پیش فرمایا ۔

صدر محترم نے اپنے خطاب کے بعد کانفرنس میں شرکت کرنے والے علمائے کرام اور دوسرے مندوبین کے مختلف وفود سے اپنے چیمبر میں ملاقات کی اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے عمل کی رفتار کو تیز تر کرنے کے سلسلے میں تبادلہ خیال کیا ۔

صدر گرامی کے خطبے کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے چیئرمین جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب نے اپنا فاضلانہ کلیدی خطبہ پیش کیا ۔

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات سیرت کے تین اجلاس ہوئے ۔ پہلا اجلاس اسی روز بعد دوپہر شریعت کورٹ کے چئیرمین جناب جسٹس آفتاب حسین صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ جس میں سامعین کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اور ملک کے دس ممتاز علماء اور دانشور حضرات نے کانفرنس کے موضوع «حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم اخلاق» پر اپنے تحقیقی مقالے پیش کئے ۔ اجلاس کے اختتام پر صدر مجلس نے ایک بلیغ خطبہ سے حاضرین کو نوازا ۔

۱۳ ربیع الاوّل کے روز پہلا اجلاس وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات جناب راجہ ظفر الحق صاحب کی صدارت میں ہوا جس میں ملک کے مختلف علاقوں سے شریک ہونے والے مندوبین کرام میں سے دس حضرات نے اپنے مقالات پیش کئے ۔ آخر میں صدر مجلس نے بڑی فصیح و بلیغ تقریر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ھدیہ عقیدت پیش کیا ۔

کانفرنس کا تیسرا اور آخری اجلاس اسی روز بعد دوپہر وفاقی وزیر مذہبی امور جناب الحاج نواب محمد عباس خاں عباسی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ اس اجلاس میں بھی دس ممتاز دانشور حضرات نے سامعین کرام کے سامنے اپنے مقالات پیش کئے ۔ جناب حاجی زکریا کامدار صاحب وزیر مملکت برائے حج نے ایمان افروز کلمات سے سامعین کو نوازا ۔ آخر میں وزیر محترم برائے امور مذہبی نے بحضور سرور کائنات ھدیہ عقیدت پیش فرمایا اور شرکاء محفل اور تمام مندوبین کرام کا شکریہ ادا کیا ۔

کانفرنس کے اختتام پر وفاقی شرعی عدالت کے چئیرمین جناب جسٹس آفتاب حسین نے ایک قرار داد پیش کی جس میں دنیا کے مسلمانوں پر بالعموم اور پاکستان کے مسلمانوں پر بالخصوص زور دیا گیا کہ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی حاصل کریں اور اپنی زندگیوں کو اسوۂ مبارک کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت اپنے قانونی اختیارات اور وسائل بروئے کار لائے جب کہ علماء ، مشائخ اور مذہبی سکالر اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں ، اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور

اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے قوم موجودہ سال کے دوران تین بنیادی امور پر سب سے زیادہ زور دے یعنی پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی ' اتحاد بین المسلمین اور معاشرے سے فحاشی اور عریانی کا خاتمہ ۔

کانفرنس کا آخری اجلاس مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی کی دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوا ۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مجالس و محفل کا انعقاد از خود باعث برکت و سعادت ہے اور ان محافل سے سیرت طیبہ کے مختلف گوشے سامنے آنے کی وجہ سے لوگوں کو زبردست عمل کی تحریک و تشویق ہوتی ہے اور ایک گونہ تبلیغ کا کام سرانجام پاتا ہے ۔ لیکن اس لائحہ عمل کے علاوہ ہر سال وزارت امور مذہبی سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی بہترین اردو ' انگریزی اور علاقائی زبانوں کی کتابوں پر انعام بھی دیتی ہے جس کے نتیجے میں ہر سال متعدد کتابیں منصہ شہود پر آتی ہیں ۔ جو آئندہ کے لئے دیگر مصنفین و مؤلفین کو تخلیقی کام پر ابھارتی ہیں ۔

سیرت کانفرنس کے نتیجہ میں جو مقالات ملک کے معروف علماء دانشور پیش کرتے ہیں وزارت انہیں ہر سال کتاب کی شکل میں شائع کر کے تقسیم کرتی ہے ۔ اس سے بھی سیرت طیبہ کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ اسی روایت کی روشنی میں چھٹی سیرت کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات کتاب کی صورت میں پیش خدمت ہیں ۔

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

اسلام آباد ۲۱ مارچ ۱۹۸۲ء

عرفان احمد امتیازی
سکریٹری وزارت امور مذہبی
حکومت پاکستان

****

خطبہ استقبالیہ

الحاج نواب محمد عباس خان عباسی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

صدر محترم

مہمانان گرامی قدر

معزز حاضرین محفل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے لئے یہ امر باعث فخر و مسرت ہے کہ میں یہاں آپ سب حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کروں اور صدر محترم میں آپ کا بالخصوص تہ دل سے ممنون احسان ہوں کہ آپ نہ صرف وزارت کی درخواست پر اس اجلاس کی صدارت کیلئے تشریف لائے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ یہ مقدس محفل آپ ہی کے ایماء پر منعقد ہو رہی ہے ۔

یوں تو وزارت مذہبی امور اپنے قیام کے بعد ہی سے اس محفل کا اہتمام کر رہی ہے لیکن مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ آپ کے اقتدار سنبھالنے کے بعد سے اس محفل کے تقدس ، سرگرمی اور وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے ۔ آپ نے سرکاری سطح پر اسے ایک ادارہ (INSTITUTION) بنا دیا ہے جس کا بین ثبوت یہ ہے

---

* وفاقی وزیر مذہبی امور۔

کہ آج کے دن تمام ملک میں صوبائی سطح پر ، ڈویژن اور ضلع کی سطح پر ، نیز تمام بڑے اور چھوٹے شہروں میں حکومت کے متعلقہ نمائندے اپنے اپنے حلقہ اثر میں عامتہ الناس کے ساتھ مل کر اس قسم کی محافل منعقد کر رہے ہیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء اور سامعین شریک ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہی فضا برقرار رہی تو ملک میں فرقہ واریت کے جراثیم جنم نہیں لینے پائیں گے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہی ہے جس پر تمام مکاتب فکر کے لوگ اکٹھے ہو سکتے ہیں اس لئے ہمیں اتفاق و اتحاد کی فضاء کو برقرار رکھنے کیلئے اس طرح کی محافل سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر منعقد کرتے رہنا چاہیئے ۔

حاضرین گرامی قدر !

جیسا کہ آپ سب کو بخوبی علم ہے کہ وزارت مذہبی امور ہر سال قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے کسی نہ کسی اہم پہلو پر روشنی ڈالنے کیلئے ممتاز علماء اور دانشوروں کو مقالات پیش کرنے کی دعوت دیتی ہے ۔ امسال یہ چھٹی کانفرنس ہے اور اس کا موضوع ہے «حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحثیت معلم اخلاق»

حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر کا انسان بہت مصروف ہے ۔ اس کے پاس ضخیم کتابوں کے مطالعے کا وقت نہیں ۔ اس لئے سیرت نویسوں کیلئے دو باتیں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں ۔ ایک یہ کہ ضخیم کتابوں سے ہٹ کر ایسے علمی مضامین پیش کئے جائیں جو عام فہم اور ایک نشست میں پڑھے جا سکیں دوسرے یہ کہ سیرت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا سکے جن کی اس وقت معاشرے کو زیادہ سے زیادہ طلب و ضرورت ہے ۔ وزارت مذہبی امور قومی سیرت کانفرنس کے انعقاد کے ذریعے یہ دونوں مقاصد حاصل کرتی ہے ۔ یعنی کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ علمی شخصیات کے افکار کو سامعین تک پہنچایا جاتا ہے اور کانفرنس کے بعد ان مضامین کی طباعت کا اہتمام کرکے زیادہ سے زیادہ قارئین تک ان کو پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے ۔

حاضرین کرام !

حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے ہزاروں روشن مثالیں ہیں ۔ لیکن ان میں آپ کی معلم اخلاق کی حیثیت سب پر حاوی ہے ۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنی سیرت و کردار کے آئینے میں اخلاق عالیہ کی تعلیم کیلئے ہی مبعوث ہوئے ہم سب کا ایمان ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین تھے ۔ جس طرح آپ پر نبوت ختم ہو گئی اسی طرح سے آپ فضائل اخلاق میں بھی بلند ترین مقام پر فائز ہوئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیثیت کو سمجھنے کیلئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ وضاحت کافی ہے کہ «آپ کا اخلاق قرآن ہے»

خوش قسمتی کی بات ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ نویسوں ، سیرت نگاروں اور مسلمان مورخوں نے آپ کی سیرت طیبہ کی جزئیات تک کو محفوظ رکھا ہے ۔ جہاں سے ہر دور کا انسان اکتساب فیض کر سکتا ہے ۔ وزارت مذہبی امور کے پیش نظر بھی اس قومی سیرت کانفرنس کے ذریعے آپؐ کے پیغام کو مقبول بنانا اور پاکستانی معاشرے میں اسے نافذ کرنا ہے ۔ صدر محترم جس خلوص اور تندہی سے اس مبارک مشن کی تکمیل کیلئے کوشش کس رہے ہیں امید ہے کہ اس کے باعث ہم انشاء اللہ جلد ہی اپنے مقصد کو پا لیں گے اور پاکستان کو ایک صحیح اسلامی ریاست کے سانچے میں ڈھال سکیں گے ۔

سامعین کرام !

میں زیادہ دیر تک آپ کے اور صدر محترم کے درمیان حائل رہنا نہیں چاہتا ۔ اس لئے آپ کی آمد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے صدر محترم سے استدعاء کرتا ہوں کہ وہ چھٹی قومی سیرت کا افتتاح فرمائیں ۔

****

افتتاحی خِطاب

جنرل محمد ضیاءالحق*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین

وزیر مذہبی امور الحاج محمد عباس خان عباسی صاحب
علمائے کرام
مشائخ عظام
دانشوران اسلام ، اور
معزز حاضرین !

السلام علیکم ۔ سب سے پہلے میں بارگاہ رب العزت میں اپنے دلی تشکر کا اظہار کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ یوم ولادت دیکھنا نصیب فرمایا اور ہمیں اس قابل بنایا کہ عید میلاد النبی کے موقعے پر اس تقریب کا اہتمام کر کے اپنا ہدیہ عقیدت پیش کریں اور ان کی حیات پر انوار سے بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔

جس سنجیدہ اور باوقار ماحول میں یہ تقریب منعقد ہو رہی ہے وہ ہر لحاظ سے قابل قدر اور باعث اطمینان ہے ۔ یہ ماحول پیدا کرنے میں جاں نثاران رسول

---

*صدر پاکستان ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی تعداد میں موجودگی اور بارگاہ رسالت میں جذب و عقیدت کے ساتھ پیش کئے گئے ہدیہ نعت کا بہت بڑا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محفل کے تمام شرکاء کو اس محفل کی برکتوں سے مستفید فرمائے۔

میں نے ابھی ابھی ان کتابوں پر بھی انعامات تقسیم کئے ہیں جو سیرت رسول پر بہترین کتابیں قرار دی گئی ہیں۔ میں جناب عبدالمجید شاکر چغتائی، پروفیسر عبدالرؤف اور جناب یوسف منڈا وایا کو مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کا قلم آئندہ بھی اس خزینۂ عقل و ہدایت کو موضوع بناتا رہے گا۔ مجھے یہ سن کر دکھ ہوا کہ سیرت جیسے موضوع پر وزارت مذہبی امور کو کل دس کتابیں موصول ہوئیں جن میں سے سات کتابیں اردو میں اور ایک ایک کتاب انگریزی، براہوی اور گجراتی میں تھی۔ جبکہ پشتو، پنجابی اور سندھی میں کوئی کتاب نہیں تھی۔ میں جہاں انعام پانے والے تینوں خوش نصیبوں کو مبارک باد دیتا ہوں وہاں دوسرے اہل قلم سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ سیرت رسول پر زیادہ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے انعامات کی رقم میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور اب یہ رقم بڑھا کر ایک لاکھ روپیہ کر دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں وزارت مذہبی امور دو باتیں پیش نظر رکھے۔ اوّل یہ کہ جو کتابیں اس وزارت کو آج تک موصول ہو چکی ہیں اور اُن پر انعامات دئیے جا چکے ہیں، اُن کو چھوڑ کر سیرت رسول یا اسوۂ حسنہ پر آج تک لکھی گئی تمام کتابیں، خواہ اُن کے مصنف دنیا کے کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں اور وہ کسی بھی زبان میں لکھی گئی ہوں، خواہ وہ ہمیں موصول ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں، ان میں سے تین بہترین کتابیں منتخب کر کے اگلے سال اسی موقع پر انہیں تین انعامات دئیے جائیں۔ اس سے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ دوئم اس کے علاوہ موجودہ سال میں جو کتابیں لکھی جائیں گی، خواہ وہ اردو میں ہوں یا علاقائی زبانوں میں، اُن پر بھی انعامات کی رقم ایک لاکھ روپیہ مقرر کی جائے۔ مجھے امید ہے کہ

اس چھوٹی سے حوصلہ افزائی سے پاکستان میں لکھنے والے سیرت رسول پر اور اور زیادہ کام کریں گے۔

حاضرین کرام! علما، مشائخ اور دانشوروں کے اس عظیم الشان اجتماع میں سیرت پاک پر میرے اظہار خیال سے شاید آپ کے علم میں کوئی اضافہ نہ ہو سکے، لیکن میں اپنی تسکین قلب اور اپنے حصول ثواب کے لئے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعریف و توصیف کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ہم ان کی خوشنودی و رضا کے خواہاں ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی کی تعریف کرکے در حقیقت ہادی برحقؐ کی خوشنودی اور رضا تلاش کرتے ہیں اور ہمارے ہاں حمد و نعت کی جو روایت بن چکی ہے وہ ہر لحاظ سے لائق ستائش اور قابل تقلید ہے۔

علامہ اقبال اس کے متعلق اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں۔ یہ میں ان کے الفاظ دہرا رہا ہوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ۔

«منجملہ ان مقدس ایام کے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں ایک عید میلادالنبی کا دن ہے جو میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لئے اس وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ رسول کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے لئے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ تو درود و صلوۃ کا ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا لازمی جزو بن چکا ہے وہ ہر وقت درود پڑھنے کے مواقع نکالتے ہیں۔ عرب کے متعلق سنا گیا ہے کہ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑ پڑتے ہیں اور تیسرا باآواز بلند درود پڑھ دیتا ہے تو لڑائی فوراً رک جاتی ہے اور مخالفین ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے سے فوراً رک جاتے ہیں۔ یہ درود شریف

کا اثر ہے اور لازمی بات ہے کہ جس پر درود پڑھا جائے اس کی یاد قلوب کے اندر اپنا اثر پیدا کرے ۔ یہ طریقہ انفرادی ہے ۔ علامہ فرماتے ہیں ۔ دوسرا طریقہ اجتماعی ہے ۔ یعنی مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور ایک شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات سے پوری طرح باخبر ہو ، آپ کے سوانح زندگی بیان کرے تاکہ آپ کی تقلید کا ذوق و شوق مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہو» ۔ اسی طریق پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہم سب آج یہاں جمع ہوئے ہیں ۔ علامہ اقبال آگے چل کر فرماتے ہیں ۔

«ایک تیسرا طریق بھی ہے جو اگرچہ ذرا مشکل ہے ، مگر اس کا بیان کر دینا بھی نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ یاد رسول اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب ، نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے ، یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس سے ہویدا تھی وہ آج ہمارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے جسے مولانا روم دید دوست ، سے تعبیر فرماتے ہیں ۔»

میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم رسول اکرم کی تقلید کر سکیں لیکن میں یہاں جس طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایسی کانفرنسیں صرف تعریف و توصیف پر ہی ختم نہیں ہو جانی چاہئیں ، ان کا اصل مقصد اسوۂ رسول سے ایسی بصیرت حاصل کرنا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے اقوال میں پاکیزگی اور ہمارے اعمال میں نکھار آئے جس کے نتیجے میں ہم بہتر انسان اور زیادہ باعمل مسلمان بن جائیں ۔

میرے خیال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے دو پہلوؤں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے ۔ ایک ان ابتر حالات کی طرف جو ظہور اسلام اور بعثت رسول سے پہلے عرب ممالک میں رونما ہو چکے تھے اور دوسرا وہ انقلاب جس کے ذریعے رسول پاک نے ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں عرب معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر دیا ۔ آپ کو

یاد ہو گا کہ بعثت رسول سے قبل جزیرۂ عرب سر سے لے کر پاؤں تک ظلمت ، جہالت اور ظلم کے گہرے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا ۔ پورے عرب پر دور وحشت کی رات چھائی ہوئی تھی ۔ ہر طرف انتشار ، جنگ و جدل اور لوٹ مار کا دور دورہ تھا ۔ شراب ، زنا اور جوئے سے ترکیب پانے والی جاہلانہ ثقافت زوروں پر تھی ۔ قریش کی بت پرستانہ ذہنیت کی وجہ سے خانۂ کعبہ مجاوروں اور نذرانوں کا مرکز بن چکا تھا ۔ مکہ اور طائف کے سہاجنوں نے سود کے جال پھیلا رکھے تھے ۔ غلام سازی اور انسان فروشی کا مذموم کاروبار دھوم دھام سے چل رہا تھا ۔ کمزوروں کو بھیڑ ، بکریوں کی طرح ہانکا جاتا تھا اور طاقتور اپنی طاقت کے نشے میں سب کچھ کر گزرنے میں اپنے آپ کو آزاد و خودمختار سمجھتے تھے ۔ تعفن اور کثافت کے اس ماحول میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی فضیلت عطا کی گئی اور اس تاریکی میں ڈوبے ہوئے معاشرے تک نور ہدایت پہنچانے اور اسے راہ راست پر لانے کا فرض سونپا گیا ۔ ہم سب جانتے ہیں اور تاریخ اس کی گواہ ہے کہ آنحضرت نے نہ صرف یہ چیلنج قبول کیا بلکہ اپنے مشن کو پورا کر دکھایا ۔ وہ جزیرۂ عرب جو سر سے لے کر پاؤں تک ظلمت اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا ، دیکھتے ہی دیکھتے تہذیب اور شائستگی کا مرکز بن گیا ۔ جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے ۔ جہاں قتل اور غارت گری کا بازار گرم تھا ، وہاں امن و آشتی کے پھول کھل اٹھے ، جس جگہ کفر و شرک اور فسق و فجور کی حکمرانی تھی ، وہاں توحید اور تقویٰ کا سکہ چلنے لگا ۔ غرض وحشت و بربریت کی اس سر زمین سے ایک ایسا حسین معاشرہ وجود میں آیا جس کی نظیر زمین و آسمان نے نہیں دیکھی تھی ۔

اگرچہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تئیس (۲۳) سال کی اس مختصر مدت میں یہ عظیم انقلاب برپا کرنے کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے ، لیکن اپنے بعد قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے اپنی پاکیزہ سیرت کے ایسے نقوش چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں ۔ آج کسی بھی شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ذریعے صحابی بننے کا

شرف تو حاصل نہیں ہو سکتا ، لیکن اس پاکیزہ سیرت کی پیروی کر کے بہترین انسان اور مکمل مسلمان بننے کا راستہ قیامت تک کے لئے کھلا ہوا ہے ۔

یہ نمونہ جو رہتی دنیا تک قابل تقلید ہے ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے ۔ اس میں وہ تمام اوصاف یکجا ہو گئے ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف انبیاء اور اکابرین سے منسوب رہے ہیں ۔ اس وقت مجھے مولانا جامی کا یہ مشہور شعر یاد آ رہا ہے ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ یدبیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

سیرت طیبہ کا یہ گلاب ہر دور اور ہر زمانے کے لئے سدا بہار ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی اس سیرت طیبہ سے فائدہ اٹھانے کی مخلصانہ کوشش کی گئی ۔ اس کے انقلابی اثرات نے قوموں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین ، تابعین کے بعد تبع تابعین اور ان کے بعد تمام بزرگان دین کی زندگیاں اسی سیرت طیبہ کی روشنی سے منور ہوئیں اور انہوں نے اپنی روشنی سے ایک دنیا کو جگمگا دیا ۔

آج میں جس اہم سوال کی طرف آپ حضرات کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے وہی سیرت طیبہ آج بھی ہمارے پاس اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ ہے ۔ اسی سیرت طیبہ کے بڑے بڑے محقق اور عالم ہمارے درمیان موجود ہیں اور اسی سیرت طیبہ کے ذکر کے لئے ہم سال کے بارہ مہینے سیرت کے جلسے اور سیرت کانفرنس منعقد کرتے رہتے ہیں ۔ اس کے باوجود ہمارے معاشرے کے حالات میں کوئی تبدیلی کیوں رونما نہیں ہوتی ؟

یہ وہ چبھتا ہوا سوال ہے جس پر سیرت کے ہر جلسے اور ہر کانفرنس میں سب سے زیادہ غور کرنا چاہئے ۔

میں اپنے طور سے اس مسئلے پر غور کرتا ہوں اور اس سلسلے میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں اس کے چند نکات اختصار کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس ۲۳ سالہ حیات نبوی ہمیں دو واضح ادوار میں نظر آتی ہے ۔ ایک مکی زندگی کا دور ہے جو تیرہ سال جاری رہا اور دوسرا مدنی دور ہے جس کی مدت کل دس سال ہے ۔ مکی زندگی کے تیرہ سال اس حالت میں گزرے ہیں کہ ان میں نہ آپ کے پاس کوئی حکومت ہے اور نہ حکومت کے حصول کی کوئی کوشش نظر آتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی عطا کر دی جاتی اور اس حکومت کے ذریعے دنیا میں انقلاب برپا کیا جاتا ، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نبوت کے پہلے تیرہ سال تک نہ صرف یہ کہ آپ کی کوئی سیاسی حکومت قائم نہیں ہوئی ، بلکہ بعض مواقع پر آپ کو حکومت اور سرداری کی پیش کش بھی کی جاتی ہے تو آپ انکار فرما دیتے ہیں ۔ یہ پورے تیرہ سال انتہائی کٹھن آزمائشوں ، تکلیفوں اور مشکلات کے سال ہیں ۔

واقعات کی اس ترتیب سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت قائم کرنے اور قوانین جاری کرنے سے پہلے افراد کی ذاتی اصلاح ، ان کے اخلاق و اعمال کی درستی اور ان کے تزکیۂ نفس پر زیادہ زور دیا ۔ چنانچہ مکی زندگی کے تیرہ سال اسی کام میں صرف ہوئے ۔ اس دوران آپ نے صحابہ کرام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان و یقین ، اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ، ہر معاملے میں اللہ ہی کی طرف رجوع کا جذبہ دنیائے فانی کی حقیقت اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا فرمایا اور یہی وہ بنیادی اخلاقی جوہر تھے جنہوں نے ایک ایک صحابی کو ایثار ، قناعت ، فیاضی ، رحمدلی ، شجاعت ، غرضیکہ تمام اعلیٰ اخلاق کا پیکر بنا دیا ۔ ان کے دلوں سے دنیا پرستی ، خود غرضی اور ظلم و ستم کے جذبات مٹ گئے ۔ دوسروں کا خون چوس کر اپنا

مفاد حاصل کرنے کا جذبہ اپنی موت آپ مر گیا اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جد و جہد ہر فرد کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بن گئی ۔

تیرہ سال تک اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار کی تعمیر کے بعد جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہاں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس کے بہترین نتائج دنیا نے دیکھ لئے ۔ مدنی دور کے ان دس سالوں میں پورا جزیرۂ عرب شریعت کی برکتوں کا گہوارہ بن گیا ۔

میرے خیال میں اس کامیابی کی دو بنیادی وجوہات تھیں ، ایک پیغام الٰہی کی فضیلت اور دوسرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت ۔ نعوذ باللہ میں کلام الٰہی کی عظمت اور فضیلت کم کرنے کی ہلکی سے ہلکی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔ لیکن میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ اگر اس پیغام کو پہنچانے والا ایک انسان کامل نہ ہوتا ، اگر اس پیغام کو پھیلانے والا ایک مومن باعمل نہ ہوتا ، اگر اس پیغام کو مقبول بنانے والا خود اس معیار کا عملی نمونہ نہ ہوتا تو عرب معاشرے پر اس کا وہ اثر نہ ہوتا جس کی تاریخ اسلام آج گواہی دیتی ہے ۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ محض ایک نظریہ یا ایک فلسفہ نہیں ، بلکہ وہ ایک عملی پیغام ہے ۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنی تعلیمات صرف نظریاتی طور پر صحابہ کرام کے سامنے پیش نہیں کیں بلکہ اپنی ہر تعلیم پر خود عمل کر کے دکھایا ۔ جس بات کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا اس پر سب سے پہلے خود عمل فرمایا اور دوسروں سے کہیں زیادہ عمل فرمایا ۔ آپ کی خدمت میں حیات طیبہ سے چند مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا تو دوسروں کو دن میں صرف پانچ مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا ، لیکن خود آپ کا معمول یہ تھا کہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ

تہجد ، اشراق اور چاشت کے اوقات میں نوافل کی بھی پابندی فرماتے تھے ۔ جب دوسروں کو نماز پڑھاتے تو مختصر تلاوت فرماتے اور دوسرے تمام اماموں کو بھی یہی حکم دیتے کہ وہ زیادہ لمبی سورتیں نہ پڑھیں ، لیکن جب خود رات کی تنہائی میں نماز پڑھتے تو کھڑے کھڑے پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا ۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی لغرشوں کو معاف کرنے کا اعلان فرمایا ہے پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں ؟ آپ نے جواب دیا کہ عائشہ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟

آپ نے لوگوں کو زکوۃ و صدقات کی تاکید فرمائی تو سب سے پہلے خود اپنا یہ عملی نمونہ پیش فرمایا کہ دوسروں کے لئے کل ڈھائی فیصد مال بطور زکوۃ نکالنے کا حکم دیا لیکن اپنا معاملہ یہ تھا کہ جو کچھ آتا ، اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا ۔ ایک مرتبہ آپ عصر کی نماز کے وقت خلاف معمول اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں باہر تشریف لے آئے ۔ صحابہ کرام نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ، مجھے یاد آیا کہ سونے کا ایک چھوٹا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے ۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے اور وہ سونا محمد کے گھر میں پڑا رہ جائے ۔ انتہا تو یہ ہے کہ آپ نزع کی حالت میں تھے ۔ یاد آیا کہ کچھ دینار گھر میں پڑے ہیں تو اسی وقت حکم دیا کہ انہیں خیرات کر دو ۔ کیا محمد اپنے پروردگار سے اس طرح ملے گا کہ اس کے گھر میں دینار پڑے ہوئے ہوں ؟ غرض آپ نے دوسروں کو زکوۃ اور صدقات کا حکم دیا تو اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام میں شاید کوئی بھی ایسا نہ ہو جو صرف ڈھائی فیصد زکوۃ نکالنے پر اکتفا کرتا ہو ، بڑے بڑے مالدار حضرات سے لے کر کم آمدنی والے صحابہ تک خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بہانے تلاش کرتے تھے ۔

آپ نے لوگوں کو ایثار ، مساوات اور جہد و عمل کی تعلیم دی تو خود اپنے گھر سے اس کی ابتدا فرمائی اور خود اپنا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں ، مگر اپنے

گھر کا کام کاج خود اپنے ہاتھوں انجام دیتی تھیں - آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ انہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ دکھائے کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھسنے لگی ہیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے نیل پڑ گئے ہیں - یہ دلگداز منظر دکھا کر انہوں نے آپ سے خواہش ظاہر کی کہ ان کو ایک خادمہ عطا ہو جائے ، لیکن دونوں جہاں کے سردار اور فاطمہ کے شفیق باپ کا جواب یہ تھا کہ فاطمہ جب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہو جاتا تمہاری خواہش پوری نہیں ہو سکتی ، اور پھر خادمہ کی بجائے انہیں وہ تسبیحات تلقین فرمائیں جو آج بھی تسبیح فاطمی کے نام سے مشہور ہیں -

عدل و انصاف کے بارے میں آپ کس قدر اصول کے پکے تھے اس کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعہ سے ہوتا ہے - ایک مرتبہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی ، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ وہ حد شرعی سے بچ جائے - انہوں نے حضور کے محبوب خاص اسامہ بن زید سے سفارش کرائی - آپ نے سنا تو غضبناک ہو گئے ، اور فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے در گزر کرتے تھے - بخدا اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس پر بھی حد جاری کرتا -

غزوۂ خندق کے موقعے پر سخت فقر و فاقہ کا عالم تھا - ایک صحابی نے آ کر بھوک کی شدت کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھایا - اس کے جواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطن مبارک کو کھول کر دکھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے - آج مساوات کے فلسفے پیش کرنے والے بہت ہیں ، لیکن مساوات کا جو عملی نمونہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کرکے دکھایا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی -

آپ نے دوسروں کو قتل و غارت سے منع کرکے ایک دوسرے کو معاف کرنے کا حکم دیا اور حجة الوداع کے موقع پر اس کا اعلان فرمایا تو اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرمایا کہ سب سے پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں وہ میرے بھتیجے کا خون ہے -

اسی حجة الوداع کے موقعے پر آپ نے سود کے کاروبار کو حرام قرار دے کر یہ اعلان فرمایا کہ سود کی جتنی سابقہ رقمیں کسی کے ذمے باقی ہیں وہ سوخت کی جاتی ہیں ۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنے چچا حضرت عباس کے سود کی رقم سوخت کرنے کا اعلان کرتا ہوں ۔

آپ نے دوسروں کو عفو و در گزر کی تعلیم دی تو خود اس پر اس طرح عمل کرکے دکھایا کہ مکۂ مکرمہ کے بعض لوگوں نے آپ کے ساتھیوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی ۔ اور آپ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی ، لیکن جب آپ انہی لوگوں پر فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کے تمام ظلم و ستم کو بھلا کر ان سب کو امن و آشتی کا وہ پیغام دیا جس کی نظیر فاتحین عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ ، جس نے آپ کے محبوب چچا اور اسلام کے عظیم ستون حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا ، فتح مکہ کے دن نقاب پہن کر سامنے آتی ہے اور اس وقت بھی طنز کے نشتر برساتی ہے ، لیکن عفو و تحمل کے اس پیکر مجسم کی بارگاہ سے امن اور معافی کے سوا کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوتا ۔ یہاں تک کہ حمزہ کا کلیجہ چبانے والا پتھر دل بھی موم ہو جاتا ہے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ «محمد اب تک تمہارے خیمے سے زیادہ مجھے دنیا کے کسی خیمے سے نفرت نہ تھی ، لیکن آج تمہارے خیمے سے زیادہ مجھے کوئی خیمہ محبوب نہیں ۔»

مفلوک الحال لوگ حضور کی فیاضی کے چرچے سن سن کر آتے اور دامن مراد بھر کے جاتے ۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بدو آیا اور حضور کی چادر کھینچ کر اکھڑ پن سے کہنے لگا» اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مال خدائی مال ہے تمہیں اپنے یا اپنے باپ کے مال میں سے کچھ نہیں دینا ہے لاؤ ایک بار شتر مجھے لدوا دو ۔ اس مجسمہ رحمت نے قدرے سکوت کے بعد بڑی شان حلم سے فرمایا ۔ بے شک یہ مال خدا کا مال ہے اور میں اس کا ایک ادنیٰ غلام ہوں ۔ پھر حکم دیا کہ ایک بار شتر جو ، اور ایک بار شتر کھجوریں بدو کو دے دی جائیں ۔

وہ خوش خوش رخصت ہوا ۔ اسی طرح ایک اور شخص آیا اور اپنی معاشی بدحالی کا دکھڑا رونے کے بعد سوال کیا تو حضور نے پہاڑیوں کے درمیان چرتی ہوئی بکریوں کا ایک ریوڑ اسے عنایت فرمایا ۔ وہ یہ عطیہ پاکر پھولا نہ سمایا اور قبیلے میں جاکر کہتا پھرا کہ اے لوگو ! اسلام قبول کرو ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ تنگ دستی کا خطرہ باقی نہیں رہتا ۔

دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں جب آپ اہل مکہ کی ہٹ دھرمی سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے اور اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینا چاہی تو انہوں نے آپ پر پتھر برسا کر لہولہان کر دیا اور آپ بمشکل جان بچا کر نکلے ۔ اسی موقع پر حضرت جبرئیل نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ اگر حکم دیں تو طائف کی بستی کو تہہ و بالا کردوں ، مگر آپ نے کمال عفو سے کام لیتے ہوئے فرمایا ! نہیں ، ہو سکتا ہے کہ ان کی نسل سے اہل ایمان اٹھیں ۔

اسیران بدر کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ اسیران بدر کو ابتدا میں مسجد میں لا کر رکھا گیا ۔ قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو اپنا پورا زور فصاحت حضور کے خلاف تقاریر کرنے میں صرف کرتا تھا ۔ اس کے مجرمانہ طرز عمل کو مدنظر رکھ کر حضرت عمر نے نبی اکرم کو مشورہ دیا کہ اس کے سامنے کے دانت اکھڑوا دئیے جائیں تاکہ آئندہ یہ جوش خطابت نہ دکھا سکے خدا کے رسول نے فرمایا کہ اگر میں اس کے کسی حصہ بدن کو بگاڑوں تو میرے نبی ہونے کے باوجود خدا اس کی سزا کے طور پر میرے بھی اسی حصہ بدن کو بگاڑے گا ۔

یہ تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے چند مثالیں ۔ یہ ہے وہ سیرت پاک جس کا ایک ایک گوشہ انمول موتیوں اور بے بہا جواہرات سے بھرا پڑا ہے ۔ آپ اس کتاب زندگی کے ورق الٹتے جائیے اور آپ کو نئے سے نئے جگمگاتے واقعات ملتے جائیں گے ۔ آپ کی اس کامل زندگی کا اپنے ہم عصر لوگوں پر کتنا اثر ہوا اس کی صرف ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں ۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے ۔ خطبے کے دوران آپ کو مسجد کے کنارے پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے نظر آئے ۔ آپ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ ۔ وہ حضرات تو فوراً بیٹھ گئے ، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود اس وقت مسجد کی طرف آ رہے تھے اور ابھی وہ مسجد سے باہر راستے ہی میں تھے کہ ان کے کان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز پڑی تو بے ساختہ مسجد کے باہر سڑک ہی پر بیٹھ گئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باہر بیٹھتے ہوئے دیکھا تو اندر بلا لیا اور ان کے جذبہ اتباع کی تعریف فرمائی ۔ بات یہ نہیں تھی کہ عبداللہ بن مسعود آپ کے ارشاد کا مطلب نہیں سمجھتے تھے بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل رگ رگ میں اس طرح سما گئی تھی کہ آپ کا ارشاد کان میں پڑ جانے کے بعد انہیں ایک قدم آگے بڑھانے پر بھی قدرت نہیں ہوئی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی دیوانہ وار اتباع کے نتیجے میں صحابہ کرام نے دنیا اور آخرت میں وہ عظیم مرتبہ پایا کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا اور اسی دیوانہ وار اتباع کا نتیجہ تھا کہ عرب کے یہ صحرا نشیں دیکھتے ہی دیکھتے آدھی دنیا پر چھا گئے اور دنیا کی عظیم تہذیبوں نے ان کی تہذیب کے آگے گھٹنے ٹیک دئیے ۔

آج ہماری تعلیم و تبلیغ اور ہماری اصلاحی کوششوں کے بے اثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری تمام تر تعلیمات ایک کھوکھلے نظریئے اور بے روح فلسفے کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں ۔ ان کی پشت پر ذاتی عمل کی طاقت نہیں ہے ۔ ہم اسٹیج پر جن تعلیمات کی خوبیاں بیان کرتے ہیں ، ہماری عملی زندگی ان سے کوسوں دور ہوتی ہے ۔ اور ایسی تعلیم و تبلیغ جو عمل کی روح سے خالی ہو ، صرف ایک رسمی خانہ پری تو ہو سکتی ہے ، لیکن دلوں کی دنیا میں انقلاب نہیں لا سکتی ۔

یہ انقلاب لانے میں جہاں تک حکومت کی کوششوں کا تعلق ہے آپ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ ہم نے اصلاح معاشرہ کی طرف پیش قدمی کے لئے بنیادی اور ٹھوس اقدامات کئے ہیں اور مزید اقدامات زیر غور ہیں ۔ لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب تک افراد کی ذاتی اصلاح نہ ہو محض سرکاری اقدامات کے ذریعے اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا ۔ ہم مکی زندگی کے محنت طلب دور سے گزرے بغیر مدنی زندگی کی مثال نہیں اپنا سکتے ۔ جب تک اعمال و اخلاق کی اصلاح ، سیرت و کردار کی تعمیر اور افراد کی روحانی تربیت کا کام نہ ہو ، اچھے سے اچھا قانون بھی خوشگوار نتائج پیدا نہیں کر سکتا ۔

آج جب ہم قومی سطح پر اس عظیم سیرت کانفرنس کا افتتاح کر رہے ہیں ، میں آپ تمام حضرات کو اس موضوع پر سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہ ہماری تعلیمات کیوں بے اثر ہو رہی ہیں ۔ ہمارے وعظ کیوں بے ثمر ثابت ہو رہے ہیں اور ہماری تبلیغ کیوں مطلوبہ نتائج سے عاری ہے ۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سال بھر میں ایک شاندار سیرت کانفرنس منعقد کرکے ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا حق ادا کر دیا ہے تو سیرت طیبہ کے ساتھ اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہو سکتا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ ایک مستقل عبادت ہے ، لیکن اس عبارت کا اصل حق یہ ہے کہ ہم اس مبارک تذکرے کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنائیں ۔ اگر ہم سیرت کی ان مبارک محفلوں میں صرف آپ کی تعریف و توصیف بیان کریں اور سیرت سے ملنے والے ہر سبق سے دامن جھاڑ کر اٹھ جائیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کبھی خوش نہیں ہوں گے ۔ آپ کی سیرت طیبہ کا حق یہ ہے کہ ہم اس کے ایک ایک انداز کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ اس مقدس سیرت سے اعمال و اخلاق کو کیا نسبت ہے ؟

اگر یہ سیرت کانفرنس ہمیں اس پہلو سے گریبانوں میں منہ ڈالنے اور اپنے طرز عمل میں کوئی مثبت تبدیلی پیدا کرنے پر آمادہ کر سکے تو میں سمجھوں گا کہ یہ بڑی کامیاب کانفرنس تھی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

پاکستان زندہ باد

******

کلیدی خطبہ

جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم
حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت معلم اخلاق

وہ دانائے سبل ، ختم الرسل ، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا ، فروغ وادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی، اول وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں ، وہی یٰسیں ، وہی طٰہٰ

جناب صدر مملکت ،

علماء کرام ، مشائخ عظام اور خواتین و حضرات !

آج کی محفل ہم غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہے جو آقائے دو جہاں ، سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل سے معمور ہے ، جس ذات کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا «ورفعنا لک ذکرک» کہ ہم نے بلند کیا مذکور تیرا ۔

---

*چیئرمین ، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان ۔

آج ہم اس عظیم ہستی کی یاد منا رہے ہیں جس کے متعلق قرآن پاک میں
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

«قدجآء کم من اللہ نور و کتب مبین » (المائدہ - ۱۵)
کہ اللہ کی جانب سے تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آئی -

اس آیت میں نور سے مراد آنحضرت کی ذات اقدس ہے جن کی نسبت ایک
دوسری آیت میں ارشاد ہوا :

وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا » (الاحزاب : ۴۶)

اور وہ اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے ، اور روشن کرنے والا
چراغ ہے -

سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اپنی لامحدود
وسعت ، پہنائی اور گہرائی کے پیش نظر عالمگیر سیرت ہے ، جو ساری دنیا کے لئے
آخری دستور العمل اور مکمل ضابطۂ حیأت ہے - جس طرح قرآن پاک اس دنیا کے
لئے ابدی سرچشمہ ہے اسی طرح آپ کی سیرت بھی رہتی دنیا کے لئے مشعل راہ ہے -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا یہ معجزہ ہے کہ آپ کی
ساری زندگی افراط و تفریط سے خالی ہے یعنی نہ کہیں زیادتی ہے اور نہ کہیں
کمی ایک معتدل اور متوازن زندگی ہے جو بیک وقت حقوق العباد اور حقوق النفس
کا اہتمام کرتی ہے - آپکی شخصیت ہمہ جہت ، پہلو دار اور جامع الصفات ہے -
آپ بیک وقت بہترین انسان ، بہترین دوست ، بہترین باپ ، بہترین شوہر ،
بہترین ہمسایہ ، بہترین معلم ، بہترین مزکی ، بہترین منتظم ، بہترین سیاست دان ،
بہترین سپہ سالار ، بہترین منصف ، بہترین مدبر ، بہترین قائد اور بہترین رئیس
مملکت تھے -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلم اخلاق ہی نہیں بلکہ متمم اخلاق تھے ۔ تمام انسانی اخلاق و فضائل آپ کی ذات با برکات میں اپنے انتہائی عروج و کمال پر تھے ۔ آپ کی ہر ہر صفت اخلاق اپنے انتہائی اعلیٰ معیار اور بلند ترین درجہ پر پہنچی ہوئی تھی ۔ آپ نے خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (حدیث)

میں تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی بلکہ خود اپنی ذات مبارک کو صاحب خلق عظیم کی حیثیت سے بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا ، یہ محض ایک فلسفہ اخلاق ہی نہیں تھا ، بلکہ آپ نے سیرت و کردار کا عملی نمونہ پیش کیا ، اور اس پر اپنی اُمت کے اخلاق کی تعمیر کی ، اور انسانیت کے لئے شرف و کرامت کے عملی نمونے اپنے پیچھے چھوڑے ۔

قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو «خلق عظیم» کے الفاظ سے تعبیر فرمایا :

«وانک لعلیٰ خلق عظیم» (سورہ القلم : ۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد ربانی «وانک لعلیٰ خلق عظیم» (سورہ القلم آیت ۴) کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ کا خلق عظیم کیا تھا ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ، «وکان خلقه القرآن» آپ کا خلق یعنی سیرت سارے کا سارا قرآن ہے ۔

آیت قرآنی وانک لعلیٰ خلق عظیم کی تشریح کرتے ہوئے مصر کے مشہور عالم محمد عزہ دروزہ فرماتے ہیں :

«لیس من وصف یمکن ان یکون أقوی و أصدق و أوسع مدی» مما فیهما ـ فتعبیر «الخلق العظیم» یشمل کل عمل و منیزة و عادة و مظهر یتصل بخلق شخصی أو اجتماعی أو انسانی أو عائلی ، ویطبعه بطابع العظمة والسموا التمیز کمالا یخفیا» ـ

(یعنی خلق عظیم کس قدر عمدہ وصف بیان کیا گیا ہے ۔ اس سے قوی ، سچا اور وسیع معنی کا حامل کوئی اور وصف نہیں ہو سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خلق عظیم ہیں ۔ یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل ، ہر امتیاز ، ہر عادت اور مظہر میں شامل ہے ، اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ، اجتماعی ، انسانی اور عائلی خصوصیات یکجا کر دی گئی ہیں ، اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کا نقش مرتسم کر دیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر و باہر ہے ۔

اور السید محمود ابو الفیض اپنی تصنیف سیرۃ سید المرسلین میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں :

«کان صلی اللہ علیہ وسلم خائزاً اجمیع صفات الکمال ، و محاسن الشم حتیٰ شنیٰ اللہ تعالیٰ علیہ فقال: (و انک لعلیٰ خلق عظیم)» ۔

آپ تمام صفات کمال کے جامع اور تمام اچھی خصلتوں کے حامل تھے ، اسی لئے اللہ سبحانہ نے وانک لعلیٰ خلق عظیم کہہ کر آپ کی ستائش فرمائی ۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ چنانچہ سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہوتا ہے :

«لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (سورہ آل عمران:۱۶۴

قرآن کریم کی اس آیت میں منصب نبوت کے چند پہلو بیان کئے گئے ہیں ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت محمدیہ کی تشکیل کے سلسلے میں پہلا اور اولین فریضہ یہ ہے کہ آپ امت کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور دوسرا فریضہ یہ ہے کہ کتاب و حکمت کی روشنی میں ان کے اخلاق کا تزکیہ فرمائیں ۔

«تزکیہ» کے لفظی معنی پاک صاف کرنا ، میل کچیل دور کرنا ، اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک کرنا ہے ، یعنی انسان کی سیرت و کردار اور ہر گراوٹ

کو پاک کرنا اور نکھار کر صاف کرنا تزکیہ ہے ' کہ انسان کے آئینہ دل پر جاہلیت اور خدا سے بے خوفی کا جو زنگ چڑھا ہوا ہو وہ صیقل ہو کر چمکے اور اس میں ایسی تابندگی ہو کہ وہ انعکاس نور الہی کے قابل ہو سکے ۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے :

«قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (سورہ اعلی : ۱۵)

یعنی وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا اور تزکیہ کا طریقہ بھی ساتھ ہی دو لفظوں میں بیان فرما دیا کہ اپنے رب کے نام کو یاد کرے اور اسی کی جانب رجوع اور انابت کرے ۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اسلام کی عمارت کو ایمان کے بعد نماز ' روزہ ' زکوۃ اور حج کے جن چار ستونوں پر قائم کیا گیا ہے ' ان میں سے ہر ایک کا مقصد انسان کے اخلاق حسنہ کی تربیت و تکمیل ہے ۔

اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ جو بھی ہوں ' ان کے بنیادی مقاصد میں اخلاقی تعلیم کا پہلو مضمر ہے ' اگر ان عبادات سے یہ روحانی اور اخلاقی ثمرات ظاہر نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے احکام الہی کی محض لفظی تعمیل کی ہے جو عبادت کے جوہر و معنی سے یکسر خالی ہے ۔ گویا ہمارے اعمال ایسے درخت ہیں جن میں پھل نہیں ' اور ایسے پھول ہیں جو خوشبو سے سے ناآشنا ہیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اخلاقی معلمین کی جو جماعتیں آئیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ ایک وہ جماعت جس کی تعلیم کی بنیاد کسی اخردی اور الہامی مذہب پر تھی ' جیسے انبیا کرام اور دوسری وہ جماعت جس نے اخلاق کی وہ عمارت فلسفہ و حکمت پر تعمیر کی ' پیغمبروں نے اپنی تعلیم کا ماخذ حکم خدا وندی کو قرار دیا ۔ حکم فرمان الہی کے سوا ان کی تعلیم کی کوئی بنیاد نہیں ۔ نہ اس میں علت و معلول کا سلسلہ ہے ' نہ عقلی

مصلتوں کی تشریح ، دوسری جماعت کی تعلیمات میں علت و معلول کی تحقیق ، نفسیاتی خواص کی بحث اور اخلاق کی غرض و غایت کے تجزیے کے بہت کچھ سامان ہیں ۔ لیکن عمل کے خانے میں کچھ بھی نہیں ہے ۔ ایک بڑے سے بڑے فلسفی کی زندگی کو جب بھی آپ بے پردہ دیکھیں گے تو وہ ایک عام انسان سے ایک انچ بھی بلند نظر نہیں آئے گا ، وہ دوسروں کو روشنی تو دکھاتا ہے مگر خود اندھیرے میں ہے ، دوسروں کی رہنمائی کا دعویدار ہے مگر خود عمل کی ہر راہ میں بھٹکتا پھرتا ہے ۔ وہ رحم و محبت کے ایک ایک راز سے واقف ہے مگر غریبوں پر رحم کھانا اور دشمنوں سے محبت کرنا ، وہ نہیں جانتا ، سچائی اور راست بازی کے اسرار و حکم پر دھواں دار تقریریں کرتا ہے مگر خود سچائی اور راست بازی سے دور رہتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کسی کے لوح دل پر جب ہی نقش ہو سکتی ہے جب وہ خود اس کی عملی تصویر ہو ۔ انبیاء کرام جو کچھ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں ، جو ان کی زبان پر ہے وہی دل میں ہے ، یہی وہ فرق ہے جو انبیاء کو باقی سب سے بلند کرتا ہے ۔

ارسطو کی اخلاقیات کو پڑھ کر ایک شخص بھی محاسن اخلاق کا پیکر اور نمونہ نہ بن سکا ۔ اسی طرح حضرات انبیاء کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی سرور کونین ، آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کے برابر نہ تھی ۔ دنیا کا کوئی پیغمبر یا مصلح ایسا نہیں جس کی زندگی کا ہر ہر پہلو ہمارے سامنے موجود ہو حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک تمام پیغمبروں پر ایک نگاہ ڈال جائیں ان کی پیغمبرانہ زندگی کی چند سطریں اور چند واقعات ہمارے سامنے ہیں ، اور ان کا بھی زیادہ تر قابل اعتماد حصہ قرآن حکیم کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف تین برس کا حال ہم کو معلوم ہے ۔ صرف پیغمبر اسلام ہی کی زندگی ایسی ہے جس کا ایک ایک پہلو دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے ، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ حکم عام تھا کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک سے دوسرے تک پہنچا دو ۔ خلوت خانوں میں جو سنو اسے جلوت میں برملا بیان کرو ، حجروں اور کوٹھڑیوں میں جو کہتے سنو ، اسے چھتوں پر چڑھ کر لوگوں کو سنا دو ، اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب : ۲۱)

کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بہترین نمونہ ہے ۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا کونسا ایسا گوشہ اور پہلو ہے جو قابل تقلید نمونہ نہیں ، جس کی نظیر ساری دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ عام انسان تو کجا انبیاء صادقین بھی آپ سے بہت پیچھے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چمنستان حیات میں اخلاقیات کے نوع بہ نوع بے شمار پھول جا بجا کھلے ہوئے ہیں ۔ کس کا ذکر کریں اور کس کو چھوڑ لیکن میرے نزدیک آپ کی رحمت عام کا پہلو خصوصیت سے قابل ذکر ہے جسکے ثبوت کے لئے صرف فتح مکہ کا واقعہ ہی کافی ہے ۔ کفار مکہ نے کونسا ظلم تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام لیواؤں پر روا نہ رکھا تھا مسلمانوں نے اگر مکہ چھوڑ کر کہیں پناہ چاہی تو ان کا تعاقب کیا گیا ۔ اور بادشاہ حبش کے دربار میں پہنچ کر انہیں ذلیل کرنے اور ان کے ملک سے باہر نکال ڈالنے کی کوشش کی ۔ جب وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا گیا ۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا گیا اور جس طرح انہیں ستایا گیا کہ نماز پڑھتے ہوئے کمر مبارک پر نجاست رکھدی ۔ بازار طائف سے گزرے تو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا ۔ جگہ بہ جگہ طعن و تشنیع کے تیر برسائے ۔ دیوانہ ، پاگل اور جادوگر کہا ۔ لیکن جب آپ مکے میں بحیثیت فاتح داخل ہوتے ہیں تو آپ کی ذات انہیں کفار کے لئے سراپا شفقت و رحمت تھی ۔

عام دنیاوی قاعدے کی رو سے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تمام سرکش کفار پابہ زنجیر سامنے لائے جاتے اور انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں مگر رحمتہ للعالمین کا تو انداز ہی جدا تھا ۔ اعلان ہوتا ہے جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر رکھے گا اس کے لئے امن ہے جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہوگا ۔ اور بغیر ہتھیار چلے گا اس کے لئے امن ہے ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کفار کے سابق سپہ سالاراعظم ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا وہ امن میں ہو گا ۔ یہ ابوسفیان وہی ہیں جو متعدد معرکوں میں لشکر اسلام کے خلاف صف آراء ہوئے ' لیکن فتح مکہ سے ذرا پہلے ایمان لائے ۔ اور ان کا درجہ ہو گیا کہ انکے گھر میں داخل ہونا موجب امن قرار دیا گیا ۔ عفو و در گذر کی تلقین کرنا بہت آسان بات ہے لیکن اپنے قاتلوں ' ستانے والوں اور بربادی چاہنے والوں کو پوری طرح غلبہ اور ہر طرح قابو پا لینے کے باوجود کسی ملامت کے بغیر معاف کر دینا یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی ۔ کفار مکہ سے ارشاد ہوتا ہے جاؤ تم سے آج کوئی باز پرس نہیں تم سب کے سب آزاد ہو لاتثریب علیکم الیوم بہ تفریق و امتیاز عام شفقت و رحمة کا یہ روشن باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کے سوا ساری تاریخ انسانیت میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک مصلح یا معلم اخلاق نہ تھے جس کا منتہائے نظر کچھ معاشرتی خرابیوں کو دور کرنا اور وقت کے اجتماعی نظام اور سیاسی ہئیت حاکمہ سے براہ راست تصادم کا خطرہ مول لئے بغیر اخلاقی اقدار کی بحالی ہوتا ہے ۔ آپ محض ایک مفکر نہ تھے جس کا کام فکر کی انجمن میں کوئی عقلی شمع روشن کرنا ہو اور بس ۔ آپ کی نبوت حیات انسانی کے تمام گوشوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ عمل انسانی فلاح کے تمام دائروں پر محیط تھا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کا دائرہ صرف مذہبی اور اخلاقی ہی نہیں بلکہ تمدنی اور سیاسی بھی تھا ۔ آپ کا پیغام معاشرے کے کسی ایک جز یا معاشرت کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کی اصلاح اور بہتری کے

لئے نہ تھا بلکہ آپ کا نصب العین ، آپ کا مشن اللہ کے دین کو زندگی کے تمام میدانوں میں جاری و ساری اور غالب کرنا تھا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس کے اجتماعی نظام اور تمدن سے الگ کرکے محض ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کو انسانی نظام اجتماعی کا ایک پرزہ قرار دیکر اس کے سارے نظام اجتماعی کو تبدیل کرنے اور دین الٰہی کے تابع کرنے کی سعی و کوشش کی اور بلاشبہ وہ اپنے اس مشن میں کامیاب رہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں دنیا کی سب سے بڑی تاریخ ساز شخصیت آئی ، تاریخ ساز سے عام طور پر وہ شخصیت مراد لی جاتی ہے جس نے عالم انسانیت کو ایک ایسا لائحہ عمل دیا ہو جس نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا ہو ، لیکن تاریخ کا رخ موڑنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سیاسی طور پر کسی علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کے زیر اثر آ جائیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی قوم اور اس کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بدل جائیں ۔ یوں تو تاریخ انسانیت میں چھوٹے بڑے بہت سے مصلح اور معلم اخلاق آئے ، جنہوں نے اپنے طریقہ کار سے دنیا کے ایک حصے کو ایک مختصر وقت تک کے لئے انسانی زندگی کے معاشی یا سیاسی یا روحانی دائرہ میں متاثر کیا ، اور تاریخ کے سینے پر اپنے نشان چھوڑے ، لیکن جہاں تک ختم الرسل ، سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات کا تعلق ہے ، بلاشبہ آپ عالم انسانیت کی سب سے بڑی تاریخ ساز شخصیت ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز شخصیت کا یہ ایک معجزہ ہے کہ آپ نے اپنی تعلیمات کا آغاز ریگزار عرب سے کیا مگر آپ نے دنیا کے سامنے ایک ضابطۂ حیات دیا ، ایک مکمل دستور زندگی ، جس میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت اور عقیدہ آخرت کو جزو اعظم قرار دیا ۔ کلمہ لآ الہ الاّ اللہ کے ذریعے لوگوں کو توحید کی طرف بلایا ۔ غیر اللہ کی بندگی کو جھٹلایا ، گویا انسان نے خود کو پا لیا ۔ دیکھتے دیکھتے روم و فارس کی پر شکوہ اور متمدن سر زمینوں نے

آپ کی تعلیمات کو قبول کر لیا ۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت ہی میں آپ کے نام لیواؤں سے آدھی دنیا بھر گئی ؟ اسلام کے یہ نام لیوا محض رسمی نام لیوا نہ تھے ' جو دشمنوں سے مقابلہ کے وقت کہتے کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑے ' ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے ' بلکہ وہ جان نثار غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔ جو آپ کے پسینے کی جگہ ہر وقت اپنا خون بہانے کو تیار رہتے ۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت لالچ ' غرض کوئی چیز ان جان نثاروں کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی ۔ تاریخ میں نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت پیدا ہوئی اور نہ آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضواعنہ جیسے جان نثار ہی پیدا ہوئے ۔ جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی فکر ' سوچ ذہن بلکہ ساری روح انسانیت کو بدل کر رکھ دیا ۔ روح انسانیت جو تمام خیروں ' نیکیوں کا ازلی سرچشمہ ہے ' روح انسانیت جو وقتی حالات اور تقاضوں کے ساتھ نہیں بدلتی ' بلکہ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے انسانوں کو ان کی تخلیق کا اصل مقصد یاد دلاتی رہتی ہے ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم جہاں جہاں پہنچی اور لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کی ساری زندگی کی نہج اور انداز بدل گئے اور مخلوق کا اپنے خالق سے تعلق استوار اور مضبوط ہوتا گیا ۔ گویا اندر کا سارا انسان بدل گیا ۔

تاریخ میں کسی شخصیت کے مقام کا تعین حاصل شدہ کامیابیوں اور منفعتوں کے ذریعے کیا جاتا ہے ' جو انجام کار خیر و فلاح کی صورت میں ہمیشہ جاری رہنے والی اور برباد نہ ہونیوالی چیزیں ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز شخصیت کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے دنیا کی معاشی ضرورت یا سیاسی مصلحت کے تقاضوں کے تحت اسلامی انقلاب کا نعرہ نہیں دیا بلکہ یہ ایک پیغام تھا بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لئے ' انسان کو اس کا کھویا ہوا مقام دلانے کے لئے —— یہ کہ تم سب آدم کی اولاد ہو ' آدم مٹی سے پیدا کئے گئے اور تم سب مٹی سے پیدا کئے گئے ہو ' تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر برتری حاصل نہیں ' اور اللہ کے نزدیک تم

میں وہ شخص صاحب عزت و تکریم ہے ، جو متقی و پرہیز گار ہو ۔ وحدت انسانی اور انسانی مساوات کا یہ تاریخ ساز کارنامہ ان صاف اور کھلے لفظوں میں ۔ جس کے لاتعداد عملی مظاہر اسلامی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ، دنیا کے کسی پیغمبر یا مصلح نے انجام نہیں دیا ۔ یہ اخوت ایک لازوال نعمت ہے جو دنیا کے تمام مسلمانوں کو عطا کی گئی جو نہ صرف اخلاقی و معاشرتی بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی ایک بے نظیر قوت ہے ۔

اسلام سے پہلے انسانی برادری ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی ان کے دل پھٹے ہوئے تھے ۔ اسلام آیا جن لوگوں نے اس کو قبول کیا وہ اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے ۔ کاش ہم مسلمان اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی صحیح قدر و منزلت سے آشنا ہوں !

سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ مختصر پیغمبرانہ زندگی میں کیونکر اور کیسے ہوا ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے تمام علمی اور عملی کمالات کے جامع اور انسان کامل کا ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے ۔ آپ کی تاریخ ساز شخصیت اور تعلیم کا اثر صرف انسانی عقائد تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ انسانی فکر و عمل کے ہر محور کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے ۔ آپ کی تعلیم پوری انسانی زندگی کو اپنا ہدف اورمطمع نظر قرار دیتی ہے ۔ آپ کا لایا ہوا دین اپنے ماننے والوں کے لئے نہ صرف عقائد و عبادات بلکہ تجارت ، صنعت، کھیل و تفریح ، صنعت وسیاست غرض زندگی کے ہر رخ اور ہر پہلو کو فطری بنیادوں پر ایک توازن کے ساتھ منظم کرتا ہے۔ اسلام خدا کا حصہ خدا کو اور قیصر کا حصہ قیصر کو دینے کا قائل نہیں ، وہ انسانی زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت قرار دیتے ہوئے اس کے تقاضوں کو خواہ روحانی ہوں یا مادی ، فکری ہوں یا جسمانی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے زیر اثر لاتا ہے ۔ وہ زندگی میں دو رنگی برداشت نہیں کر سکتا کہ خدا سے تعلق کو ایک جز وقتی معاملہ قرار دے کر شب و روز کے باقی حصے کو انسان کی اپنی مرضی پر چھوڑ دے

کہ وہ دنیا میں من مانیاں کرتا پھرے ۔ اسلام تمام تر دنیاوی ترقیوں کے ساتھ دین و ایمان کے دائرہ میں رہتے ہوئے اخلاقی قدروں کی حفاظت پر پورا زور دیتا ہے ۔ تاکہ زندگی میں توازن قائم رہے ' جو ترقی کے لئے ضروری ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا یہی رخ ہے جو اسلام کو دنیا کے دوسرے ادیان سے ممتاز اور آپ کی تاریخ ساز شخصیت کو سب سے بلند اور اعلیٰ قرار دیتا ہے ۔

اسلام میں انسان کو ایک ذمہ دار وجود ٹھہرایا گیا ہے اور اس کو اپنے تمام دنیاوی اعمال و افعال کے سلسلے میں اور ان تمام رویوں کے بارے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں خود اپنے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ اختیار کرتا ہے ' آخرت میں جواب دہ قرار دیتا ہے ۔ لیکن انسان کا اس دنیا میں اخلاقی رویہ اللہ ' اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان سے مستفاد ہونا چاہئیے کیونکہ اسلام کی نظر میں وہی اخلاق معتبر ہوگا جو سرچشمہ ایمانی سے پھوٹا ہو ۔ جو اخلاق ایمان سے بیگانہ ہو ' وہ محض افادی ہوتا ہے اور آج مغرب کی جن قوموں کے اخلاق کی تعریف کی جاتی ہے ' انکا اخلاق سراسر افادی ہے جن کی بنیاد اضافی وقتی مصلحتوں پر ہے ۔ جس کا عملی اظہار ان کے دو متضاد رویوں سے ہوتا ہے ' یعنی وہ اس وقت تک اخلاق برتتے ہیں جب تک اس اخلاق میں ان کو اور ان کی قوم کو مادی فوائد حاصل ہو رہے ہوں ۔ لیکن جس اخلاق سے انہیں کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو ' وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے ۔ گویا اخلاقیات کی اعلیٰ اساسی اور عالمگیر اقدار سے ان کا کل وقتی ساتھ نہیں ہوتا ۔ اس کے برعکس اسلام میں اخلاق کا سرچشمہ اللہ کی ذات اور نبوت و آخرت پر ایمان ہے ۔ اس لئے مسلمان کے اخلاق کا ہر حال میں ایک ہی معیار ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں جہاں گئے رنگ و نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود اپنی اخلاقی قوت کے سبب غالب و سرفراز رہے ۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی اور اسلام کے ضابطہ اخلاق نے بنی نوع انسان پر جس قدر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اس قدر گہرے اثرات تاریخ میں کسی فلسفے ' کسی نظام اور

کسی شخصیت نے مرتب نہیں کئے اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ آج بھی ہر طرح کے مادی اور معنوی زوال کے باوجود اگر مسلمان اپنی قوت ایمانی کو محکم تر کرکے اور محسن انسانیت سے اپنے تعلق کو از سر نو استوار کرکے رزم گاہ حیات میں جادہ پیماہوں تو یقیناً کوئی قوم مسلمانوں کے مد مقابل نہیں ہو سکتی۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ جو انقلاب معاشی یا سیاسی راستے سے آتے ہیں وہ معیشت یا سیاست کی تنگنائے کے بھنور میں آکر اپنی موت مر جاتے ہیں۔ لیکن جو انقلاب روح کے راستے آتا ہے ، وہ مستقل بالذات اور دیرپا ہوتا ہے۔ جس کے اثرات قائم و باقی رہتے ہیں۔ گو وقفہ وقفہ سے کچھ تحریکیں روح انسانیت کے صاف و شفاف چشموں کو گدلا کرنے کے لئے نمودار ہوتی رہتی ہیں مگر ان کی حیثیت پانی پر جھاگ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہمیں ان سے گبھرانے یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں - بات صرف عقیدے کو عمل سے ہم آہنگ کرنے کی ہے۔ الحمد للہ اسلام کی اصل روح باقی ، نافذ اور جاری ہے ، اور وہ ہے حق صداقت کی روح۔ تاریخ کا منتخب عمل ہمیشہ صداقت کے حق میں رہتا ہے اور حق و صداقت کی روح بالآخر تاریخ پر غالب رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو جو مثبت اور ابدی پیغام بشکل قرآن دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و عمل کے ذریعہ ہدایت کی جو سچی راہ متعین فرمائی اور اس راہ پر خود چل کر دکھایا ، وہی راہ صراط مستقیم ہے وہی راہ ہمیشہ قائم اور زندہ و تابندہ رہنے والی ہے اور اس سے ہٹ کر ہر راستہ گمراہی اور اندھیروں کی طرف لے جانے والا ہے :

بمصطفےؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

صدارتی خطبہ—پہلا اجلاس مقالات

جناب جسٹس شیخ آفتاب حسین*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین

یہ مہینہ محسن انسانیت کی ولادت کا مہینہ ہے یہ جلسے اور جلوس اس مبارک موقعہ پر ایک خاص مقصد کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں میں اس مقصد کو پاکستان میں اسلامی نظام کی ترویج کی ایک کڑی کی حیثیت سے دیکھتا ہوں ۔

اسلامی نظام کے دو پہلو ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی نہ تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی ایک پہلو کی اہمیت کو کم کیا جا سکتا ہے دونوں ہی پہلوؤں کا اجتماعیت سے واسطہ ہے ۔ ان دونوں پہلوؤں میں ایک ملت اسلامیہ کے ہر ہر فرد کی اصلاح ہے کہ وہ ہر لحاظ سے ایک صادق الایمان ہی نہیں بلکہ صادق العقل اور صادق العمل مسلمان ہو جائے ۔ جس ملت کے افراد میں یہ صفت پیدا ہو جائے وہ ملت اسلامیہ کی ہر ہر صفت سے بہرہ ور ہو جاتی ہے ۔ دوسرے پہلو کا تعلق قوانین ملکی سے ہے کہ ایک ایسی سوسائٹی میں جس میں اسلامی معاشرہ کی تدوین اصلاح اعضائے ملت کی بناء پر ہو چکی ہو ۔ اسمیں ایسے قوانین رائج کئے جائیں جو اس معاشرہ کو راہ راست پر رکھنے میں ممدو معاون

*چیئرمین فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان ۔

ہوں ۔ حدود و تعزیرات اس لئے ہوں کہ ایک نیک معاشرے میں اگر کسی شخص سے وہ جرائم سرزد ہوں جس سے معاشرے میں خرابی کا امکان ہو تو وہ کیفر کردار کو پہنچ جائے تاکہ اچھے لوگ اطمینان کا سانس لیں اور کمزور طبعیت لوگوں کو جن کا اشتعال و ترغیب کی زد میں ہو جانے کا امکان ہو ' عبرت حاصل ہو ۔ اسطرح سوسائٹی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جاتا ہے اس کے لئے کسی طویل تقریر یا تبصرے کی ضرورت نہیں ہے ۔ آنحضرت کا اسوہ اس کی بہترین مثال ہے ۔ آنحضرت کا مشن اگر ایک طرف تبلیغ اسلام تھا تو دوسری طرف ایک ایسی ملت کی تخلیق اور اس کا فروغ تھا جس کا ہر فرد یا کم از کم افراد کی اکثریت نیک اور پاک و صاف زندگی بسر کرتی ہو ۔ ظاہر ہے جو شخص کسی ملت یا قوم یا گروہ کی اصلاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو اس گروہ ملت یا قوم کے سامنے اپنے آپ کو نیکی کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کرنا چاہئیے ۔ چنانچہ آنحضرت کی زندگی ہر نقص سے پاک صاف تھی ۔ جس کے نمونہ اور اسوہ پر دوسرے عمل کر سکیں ۔ اقراء کی وحی آنے سے قبل حضور اکرم نے اگرچہ یہ بات محسوس ہونے نہ دی کہ آپ دنیا کی اصلاح کے لئے نبی مبعوث ہوئے ہیں ۔ لیکن پھر بھی چالیس سالہ زندگی میں نہ صرف یہ کہ آپ نے بتوں کی پرستش کبھی نہ کی بلکہ ہمیشہ جاہلانہ لہو لعب اور ہر قسم کی برائی سے علیحدگی اختیار کی خود کو قوم کے سامنے بحیثیت صادق و امین پیش کیا کہ آپ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام نہیں لگا سکتا تھا ۔ حضرت خدیجہ کی طرف سے تجارت پر مامور ہوئے تو تجارت میں دیانت و امانت کا سکہ بٹھا دیا آنحضرت کی اس زمانہ کے ماحول میں ان منفرد خوبیوں نے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو نکاح کا پیغام دینے پر مجبور کیا ۔ انہی خصائص کا یہ نتیجہ تھا کہ اولاً جو لوگ آپ پر ایمان لائے وہ آپ کے دوست اور عزیز تھے ۔ یعنی حضرت خدیجہ آپکی زوجہ محترمہ حضرت علی آپ کے چچا زاد ' حضرت ابوبکر آپ کے رفیق جان نثار ۔ واقعہ معراج کی تصدیق حضرت ابوبکر نے محض اپنی صفت ایمانی کی وجہ سے نہیں کی کیونکہ اس قسم کی تصدیق تو ہر مسلمان کا فرض تھا ۔ جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو ۔ بلکہ اس کا بھی خاص محرک ان کا آپ کے اکمل البشر ہونے کا علم تھا ۔ اسی تصدیق نے ان کو صدیق اکبر

بنا دیا ۔ اس پر مستزاد یہ کہ قرآن کریم نے آپ کی ان خوبیوں اور خصائص کی گواہی دے کر ان کی تاریخی اہمیت کو دائم و قائم بنا دیا ۔ چنانچہ کفار کو بار ہا جتایا گیا ہے کہ کیا تم ہمیشہ سے نبی سے واقف نہیں ہو ۔ کیا تمہارا یہ علم ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔ «فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون (۱۶ : ۱۰) کیونکہ اس سے پہلے میں تم میں کافی عمر رہ چکا ہوں کیا پھر تم نہیں سوچتے) اور وہ واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ جب آنحضرت نے کفار مکہ سے دریافت کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے اس جانب دشمنوں کا ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے تو کیا تم میری بات کا اعتبار کرو گے اور جواب میں کفار نے کہا کیوں نہیں کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ صادق پایا ۔

بعثت کے بعد کے واقعات خصوصاً وہ واقعات جو مکی دور سے متعلق ہیں اس بات کے شاھد ہیں کہ نبوت نے پیروان محمد میں وہ تاثیر پیدا کی کہ ہر شخص نہ صرف شرک سے محترز ہوا بلکہ دیانت سخاوت عالی ہمتی صدق و صفا غرضیکہ ہر اچھائی کا مرقع بن گیا ۔

مدینہ منورہ میں قیام حکومت کے بعد بھی باوجود غزوات اور انتظامی مسائل میں انہماک کے رسول کا یہ مشن تابع فرمان الٰہی جاری رہا ۔ کیونکہ مسلمان کی تعریف قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کی گئی ہے «تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر» (تم لوگوں کو) اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو) ۔

رسول اللہ کی زندگی کے ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ نظام اسلام کے اجراء یا اس کے احیاء کے لئے معاشرے کو مکمل طور پر پاک صاف کرنا بے حد ضروری ہے ۔ خصوصیت کے ساتھ جبکہ کلام پاک کا مذکورہ حکم بھی موجود ہو ۔ قوانین کا اجراء قرآن کریم کے ذریعہ بعثت رسالت سے کافی عرصے کے بعد عمل میں آیا ماسوا حکم زکواۃ کے ' اس سلسلہ میں یہ توضیح

ضروری ہے کہ زکواۃ کا حکم اس کلیہ سے اس وجہ سے مستثنیٰ ہے کہ مال کا جمع کرنا ہر ایسی سوسائٹی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جس کا مقصد غریب لوگوں کی بھلائی ہو۔ بالخصوص ان غرباء کے جو قبول اسلام کی وجہ سے اور کفار کے رحم و کرم پر ہونے کے سبب اپنی روزی سے بھی محروم ہو چکے ہوں۔ یا ایسے غلاموں کو خرید کرکے آزاد کرنے کے لئے جو ایمان لانے کے جرم کی وجہ سے مشرکین کے تختہ مشق بنے ہوں اور جن پر ظلم کرکے اور جن کو اذیتیں دیکر مشرکین اپنی اسلام دشمنی کے پیدا کردہ تکبر و انا کی تسکین کا سامان کرتے ہوں۔ اس لئے اکثر غلاموں کو خرید کر ان کو آزادی دینا ضروری ہوا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ابتدائی سوسائٹی میں زکواۃ یا صدقہ کی کوئی شرعی حد مقر نہ کی گئی۔ جس کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی کہ جب ملت اسلامیہ ایسی نہج پر پہنچ چکی تھی کہ یہ بات غیر ضروری ہو گئی کہ کوئی شخص اپنا سارا مال و متاع یا اس کا بیشتر حصہ ملت کی بقا کی خاطر متاع جنگ کے حصول کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھے۔

جہاں تک حدود و تعزیر کا تعلق ہے۔ اس کی ضرورت کسی حکومت کی تنظیم کے وقت سے ہی محسوس ہونا چاہئیے بلکہ حکومت کی تنظیم کا انحصار ہی عام طور پر جبریہ قوانین کے نفاذ اور سزا پر ہوتا ہے۔ لیکن ملت اسلامیہ کا معاملہ دوسری ملتوں سے اس لئے مختلف تھا کہ یہاں تبلیغ اور ترغیب کو زبردستی اور جبر پر فوقیت ہے چونکہ جبر مجبور کو باغی بنا سکتا ہے۔ لیکن ترغیب سے اصلاح کا عمل تقویت ایمان کا باعث ہوتا ہے۔ اور اثر میں دیرپا ہوتا ہے۔ سوسائٹی کے پاکباز ہونے کے بعد حدود اور تعزیر کی ضرورت بعد میں اس لئے محسوس کی گئی کہ اس معاشرہ میں بھی اگر کوئی شخص شیطان کے بہکانے سے کسی جرم کا مرتکب ہو تو اس کو ایسی سزا دی جائے کہ اچھے لوگ اچھائی کی صفت پر نازاں و فرحان ہوں اور جو لوگ کمزور ایمان ہوں ان کو تنبیہ اور عبرت ہو۔

اگر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ قوانین حدود وتعزیر کا حصہ ملت اسلامیہ کو معتدل اور متوازن رکھنے میں بہت کم ہے ۔ مسلمان معاشرہ کو اسلامی صفات سے بہرہ ور کرنے کا سہرا زیادہ تر ترغیب اور تبلیغ کے سر ہے ۔ لیکن یہ بات فراموش نہیں ہونی چاہئیے ۔ کہ کوئی تبلیغ اسوقت تک موثر نہیں ہو سکتی جب تک مبلغ کی گفتار اور عمل میں یکسانیت نہ ہو ۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے ۔ کہ اسلام کی ترویج با عمل مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہوئی ۔ اس سے یہ نتیجہ بھی لازماً اخذ کرنا پڑتا ہے جو یقیناً صحیح ہے ۔ کہ جب سے مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی کردار اسلامی اصولوں کے برعکس ہو گیا ترویج مذہب میں لاینحل مشکلات پیدا ہو گئیں دوسری قومیں اسلام کو مسلمانوں کے اعمال سے ہی جانچتی ہیں ۔ اگر مسلمان کا عمل برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق ہو تو کیا اس سے کوئی غیر مسلم متاثر ہو سکتا ہے ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل اسلام میں ہر دور کے لئے فرض کیا گیا ۔ اس پر عمل جہاں ہر مسلمان کا انفرادی فریضہ ہے وہ ایک اسلامی مملکت میں مملکت کا اجتماعی فریضہ بھی ہے لیکن ادائیگی فرض کے طریق کار میں بہت بین فرق موجود ہے ۔ انفرادی حیثیت سے یہ فرض صرف تبلیغ اور ترغیب کے ذریعہ ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی فرد کو جبر کرنے کے لئے قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔ تبلیغ کے ذریعہ رغبت دلانے والوں کو یہ نفسیاتی پہلو نظر انداز نہ کرنا چاہئیے کہ جو بات بلا طعن و طنز محبت و رافت سے سمجھائی جائے انسانی طبعیت اسکو جلد قبول کرتی ہے ۔ لیکن سختی ہی نہیں بلکہ طعن و تشنیع کی ملاوٹ بھی سامع میں تبلیغ کے خلاف ضد کا مادہ پیدا کرتی ہے ۔ جو تبلیغ کی نفی کیلئے کافی ہے ۔ اسی لئے مبلغ کے لئے شیریں دھنی ایک لازمی صفت ہے اسکے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے طنز و مزاح کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکے ۔ ارشاد ہے «ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک» (اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حصول کے لئے جبر صرف حکومت وقت ہی کے لئے ممکن ہے ورنہ قوم میں فتنہ پیدا ہونیکا اندیشہ ہے جبر کا احسن طریقہ جریمہ اور عقود و حدود و تعزیرات کی تنفیذ ہے جسکی بنیاد عدل و احسان ہو - لیکن معاشرہ کی اصلاح محض قوانین کے نفاذ سے ممکن نہیں اس سلسلہ میں ترغیب اور تبلیغ کا ایک جامع منصوبہ ضروری ہے -

یہ صحیح ہے ۔کہ حضور نے پہلے اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ دی لیکن یہ سیاق و سباق ہر مرتبہ اسلامی نظام کے اجراء میں قائم نہیں رکھا جا سکتا - بالخصوص مسلمانوں کی اپنی مملکت میں - اس لئے اصلاح معاشرہ کو ملت اسلامیہ بن جانے کے بعد نہ تنفیذ حدود و تعزیر پر مقدم کیا جا سکتا ہے - اور نہ مؤخر - ضرورت اس بات کی ہے کہ اصلاح معاشرہ اور تنفیذ حدود و تعزیر پر ایک ساتھ عمل کیا جائے -

ان اصولوں کی روشنی میں پاکستان میں اجرائے نظام شرعی کا جائزہ لینا ضروری ہے پاکستانی معاشرے کی اصلاح کی اشد ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اکثر و بیشتر پاکستانی مسلمان اپنے اخلاقی زوال اور اپنے درمیان غیر اسلامی اقدار کے فروغ کا خود ذمہ دار ہے - لیکن اس میں کچھ حصہ انگریز کے نافذ کردہ قانون کا بھی ہے - مثالً کے طور پر انگریزی قانون میں دو بالغ مرد اور عورت میں زنا کاری جرم نہیں اس وجہ سے اگر اس گناہ کو مسلمانوں میں فروغ حاصل ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں اور حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ فروری ۱۹۷۹ء میں جبکہ یہ گناہ جرم قرار دیا گیا - اس کے مرتکبین کی تعداد بہت کافی تھی اس طرح رشوت کا جرم منافع خوری ' ذخیرہ اندوزی ' سمگلنگ جنگ عظیم دوئم کی پیدا وار ہے - مسلمانوں میں یہ سب جرائم نیز غنڈہ گردی ' قتل و غارت بے جا طریقوں سے دولت کے حصول اور کسب حلال سے بے نیازی جس میں دھوکہ دھی اور کم تولنا بھی شامل ہے - اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں سے ان برائیوں کا سد باب کس طرح ہو -

سب سے قابل افسوس بات اس ضمن میں یہ ہے کہ عوام نے برے کام کو برا سمجھنا بھی ترک کر دیا ہے ۔ اعمال حکام کی نکتہ چینی کے سلسلہ میں ایک مقولہ ہے کہ «افضل الجہاد ان تنظر منکر منکراً» (افضل جہاد کسی بری چیز کو برا جاننا ہے) لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس مقولہ کی عمومیت کو کس طرح قطع کیا جائے ۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرے کی بنیادی اچھائی اس بات پر ہی منحصر ہوتی ہے کہ کم از کم اس میں اچھے لوگ برائی کو برائی سمجھیں اور اس سے نفرت کریں اور اپنے کردار سے برائی کرنے والے پر اس برائی کی خرابی کو واضح کرتے ہیں ۔ لیکن پاکستان میں معاشرے کی خرابی کا افسوناک پہلو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی عزت کی جاتی ہے تو اسکی ثروت کی وجہ سے بغیر اس بات پر غور کئے ہوئے کہ یہ ثروت کن کن جرائم کی مرہون منت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر رشوت لینے والا اپنی کسب حرام کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا ۔ تو اب وہ کسب حرام کو طرح طرح سے اچھالتا ہے ۔ بلکہ جو لوگ کسب حلال کی وجہ سے کم مایہ ہوتے ہیں ان کو کبھی کبھی تحقیر یا کم از کم رحم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔

یہ بات نہیں کہ کاسبین حرام اپنے اعمال کی برائی سے واقف نہ ہوں وہ اپنی برائی سے ضرور واقف ہوتے ہیں اسلئے وہ حرام کے روپے کو تھوڑی سی خیرات کر کے یا مدرسوں ، مسجدوں ، خانقاہوں میں چندہ دیکر یا مانگنے والوں کو اچھی رقم دیکر اپنے پیسے کو پاک کرنا چاہتے ہیں ۔ ان لوگوں میں ایسے صاحبان کی تعداد بھی کافی ملے گی جو ایک طرف تو فرائض کی ادائیگی میں بہت آگے ہوتے ہیں اور دوسری طرف کسب حلال سے مستقل منہ موڑے رکھتے ہیں ۔ ان کی مثال اس بدو کی سی ہے جو مسجد میں نماز پڑھکر باہر نکلا تو اسنے راہ گیر کو پیچھے سے گولی مار کر اس کا مال لوٹ لیا ۔ جب استفسار کیا گیا کہ نمازی ہونے کے باوجود اس نے یہ حرکت کیوں کی تو اس نے کہا نماز کی ادائیگی تو میرا فرض تھا ۔ اور قذاقی میرا پیشہ ہے ۔ معلوم یہ ہوتا ہے ۔ کہ ایسے صاحبان حساب کتاب کا معاملہ اللہ بزرگ و برتر پر چھوڑنے کی بجائے اپنے آپ ہی کر

لیتے ہیں اور بزعم خود اپنی نیکیوں کو ستر سے ضرب دیکر بدیوں کی تعداد کم کرکے اپنے متعلق جنت کا مستحق ہونے کا فیصلہ صادر کرتے رہتے ہیں یہ مذہب اسلام کو بدنام کرنے کے متراوف نہیں ہے تو کیا ہے -

قیام پاکستان کے بعد سے ہی نظام اسلام کے اجراء کا مطالبہ بہت اہمیت اختیار کر گیا - اور باوجود اس کے کہ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں قابل قدر اور صریح اقدامات کئے ہیں - لیکن مطالبے کی روز افزونی سے یہ احساس ہوتا ہے کہ مطالبہ کرنے والے صرف حکومت کو ہی اس نظام کے اجراء کا ذمہ دار خیال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت ہے کہ حکومت یا تو قوانین جاری کر سکتی ہے - جو کافی تعداد میں اب تک جاری کر بھی دئیے گئے ہیں اور یا مبلغین کی ہمت بڑھا سکتی ہے - کہ وہ آسانی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں چنانچہ اسی سلسلے میں بھی اس حکومت کا کردار نمایاں ہے کہ اس نے علماء دین اور مذہبی مدرسوں سے فارغ شدہ فاضلین کو نمایاں عزت کا مقام اس ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عنایت فرمایا جیسا کہ بیان ہو چکا ترویج نظام اسلامی کیلئے زیادہ اہم کام تبلیغ و ترغیب کا ہے تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو - لوگ اچھائی کو اچھائی اور برائی کو برائی سمجھیں - اچھائی سے محبت کریں اور برائی سے نفرت کریں - اچھائی کے قریب ہوں اور برائی سے بعید - مذہب کا یہ تخیل کہ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی ان کے دلوں سے بالکل محو ہو جائے - ان کو پتہ چلے کہ نماز اسی وقت اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول ہے جب وہ فحشأ اور منکر سے نماز پڑھنے والے کو روکے جیسا کہ ارشاد ہے «ان الصلواۃ تنھی عن الفحشأ والمنکر (بیشک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے) ان کو اکل حلال کی اہمیت کا اور اکل حرام کی لعنت کا علم اور احساس ہو - ان کو معلوم ہو کہ مال حرام میں سے صدقہ یا خیرات سے انسان کو فائدہ نہیں ہو سکتا نہ کوئی پیر یا بزرگ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مال کے چڑھاوے سے متاثر ہو کر انکی شفاعت کر سکتے ہیں - اسلام نام ہے دنیا میں تقویٰ کی زندگی بسر کرنے کا اور اسی زندگی کا حاصل جنت الفردوس ہے -

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مساجد سے تبلیغ کرتے وقت عوام میں پیدا شدہ ان خرابیوں کا خیال نہیں کیا جاتا ۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر مسجد سے خطبہ میں ان خیالات کی تردید کی جاتی جو معاشرے کے غلط کار افراد نے بز عم خود اپنا لئے ہیں ۔

اصلاح معاشرہ کام ہے ان صاحبوں کا جو لوگوں میں سے با اثر ہیں اس لئے یہ کام زیادہ احسن طریقہ سے علماء کرام اور مشائخ عظام اور دیگر مسلمانوں کے راہنما ہی انجام دے سکتے ہیں ۔ لیکن اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو ایک مثالی مسلمان بنا کر پیش کریں اگر ان کو کوئی چندہ یا تحفہ پیش کیا جائے تو وہ اس بات پر قادر ہوں کہ حرام پیسے سے خریدا ہوا مال اور کسب حرام کا پیسہ ' دینے والے کے منہ پر مارے ۔ صرف اسی صورت میں وہ کاسب حلال کی وقعت لوگوں کی نظر میں بڑھا سکتے ہیں ۔

نظام اسلام کا قیام حکومت و عمال حکومت کے علاوہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے جب تک اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا جائے اس منزل تک رسائی مشکل ہے ۔ یہ ایک محنت طلب کام ہے خدا را ہر شخص اس میں حصہ لے کر اپنا فرض ادا کرے ۔

واللہ اعلم بالصواب

صدارتی خطبہ۔۔۔دوسرا اجلاس مقالات

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

راجہ محمد ظفر الحق*

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب امتیازی صاحب ۔ حاضرین مجلس ۔ السلام علیکم

میرے لئے باعث سعادت ہے کہ نہ صرف اس پاکیزہ محفل میں شامل ہوں جہاں خدا کے آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا بلکہ یہ بھی باعث سعادت ہے کہ ملک کے ممتاز اصحاب علم و دانش کے خیالات سننے کا موقع ملا ۔ مجھ سے پہلے جن احباب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے میں نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے ۔ چنانچہ جو مقالہ لکھ کر میں لایا تھا اسے میں فی الحال ایک طرف رکھونگا ۔ میری یہ عادت ہے کہ جب بھی جس کسی مجمع میں کھڑا ہوتا ہوں تو اس خیال کے ساتھ کہ شاید یہ آخری موقع ہو کہ میں خدا کے بندوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں اسلئے کچھ بچا کر نہیں رکھتا ۔ میں نے اس موضوع پر غور کیا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت کے جن حالات کا تذکرہ حقیقت پر مبنی حالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ تاریخی حقائق ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء علیھم السلام کو اپنے اپنے مقاصد حسنہ کی تکمیل میں اور خدا کے دین کو لوگوں

*وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات ۔

تک پہنچانے میں جن مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا رسول اکرم صلی اللہ علیہم وسلم کو مجموعی طور پر ان سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اگر آج کی دنیا کا آپ موازنہ فرمائیں ان حالات سے تو آپکو ایک عجیب کیفیت محسوس ہو گی اور اس وقت جو میں آپکے سامنے کھڑا ہوں اسی کیفیت کے تحت مغلوب کھڑا ہوں۔ اس وقت انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور انکے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا تھا لیکن اگر آپ آج کی دنیا کا اندازہ لگائیں تو آپکو محسوس ہو گا۔ ممکن ہے کہ انفرادی غلامی بھی کسی شکل میں موجود ہو جو اس وقت موجود تھی لیکن اس سے کہیں بڑھ کر آج پوری کی پوری قوموں کو اور پورے کے پورے ممالک کو غلام بنا دیا جاتا ہے۔ کروڑوں انسانوں کے ممالک پر قبضہ کر کے نظریاتی طور پر ' اقتصادی طور پر اور سیاسی طور پر تسلط قائم کر لیا جاتا ہے۔ آج اس سے زیادہ کہیں زیادہ غلامی موجوہ ہے جو اس وقت تھی۔ اگر وہاں کہیں مویشیوں کو پانی پلانے کا جھگڑا تھا اور اس پر فساد ہو جاتا تھا تو آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اس کرہ ارض پر جو تین چوتھائی سمندر ہے اس پر قبضہ جمانے کیلئے کہاں تک لڑائیاں اور جھگڑے نہیں ہوتے۔ گرم پانیوں تک پہنچنے۔ آبی راستوں کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کیلئے کتنا زر کثیر خرچ کیا جاتا ہے اور کتنی قوت خرچ کی جاتی ہے۔ وہاں تو صرف مویشیوں کے اور انسانوں کے پانی پلانے پر جھگڑا ہوتا ہو گا یہاں تو پورے کرۂ ارض کے پانیوں پر قبضہ کرنے کا جھگڑا کھڑا ہے اگر آپ یہ محسوس فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی میلوں ٹھیلوں میں گھوڑے دوڑانے پر کہ آگے کسی کا گھوڑا نکل جاتا تھا تو وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر کئی سالوں کی جنگ کی ابتدا کر دیتے تھے۔ تو آج آپ دیکھتے ہیں کہ آج خلاء کی تسخیر کے سلسلے میں اگر ایک سپر پاور کا راکٹ پہلے پہنچ جاتا ہے تو دوسرے تلملا اٹھتے ہیں۔ انسانیت کی بھلائی کیلئے نہیں صرف اپنی ناک رکھنے کیلئے اور اس دنیا پر قبضہ جمانے کیلئے وہی گھوڑوں کی دوڑ کا آج بھی سلسلہ اسی شدت کے ساتھ جاری ہے اگر اس وقت لوگ میلوں میں اپنے شعراء کے ذریعے سے اپنے قبائل کی بڑائی بیان کرتے تھے اور اس پر جنگیں ہو جاتی

تھیں ۔ تلواریں چل جاتی تھیں تو آج آپ دیکھتے ہیں یہ جو تمام ذرائع ابلاغ ہیں مختلف ممالک کے مختلف نظاموں کے وہ اس کام میں دن رات لگے رہتے ہیں کہ دوسروں کے نظریات کی بیخ کنی کریں اور انکو ختم کرنے میں اور اپنے نظریات کو تمام دنیا پر مسلط کرنے کیلئے راہ ہموار کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

جنگیں بھی ہوتی ہیں۔ اسلحہ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن وہ کبھی کبھی ہوتا ہے وہ کہیں کہیں ہوتا ہے ۔ لیکن یہ ذرائع ابلاغ کی جنگ اور اپنے نظام کو دوسروں پر مسلط کرنے کی جنگ مسلسل اور شدید ترین کیفیت میں جاری ہے اور جو کچھ انسانوں کی بھلائی کیلئے خرچ کیا جا سکتا تھا اس سے کہیں بڑھ کر بلکہ حکومتیں اپنے بجٹ میں سب سے زیادہ رقوم اگر کسی بات پر خرچ کرتی ہیں تو وہ اپنے ذرائع ابلاغ کیلئے نئے نئے طریقے وضع کرنے کیلئے اور انہیں زیادہ سے زیادہ موثر بنانے میں اس قدر خرچ کیا جاتا ہے کہ اس میں آج تک کوئی کمی نہیں آئی خواہ بھوک ہو ۔ پیاس ہو ۔ خواہ لاکھوں کروڑوں انسان بھوک سے مر رہے ہوں ۔ سکول نہ ہوں ہسپتال نہ ہوں لیکن یہ سلسلہ جاری ہے ۔ چھٹی صدی عیسوی کے مقابلہ میں آج تعصب اور جہالت کئی گناہ بڑھ چکی ہے ۔ کیوں نہ ایسا ہوتا خود ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ «خیر القرون قرنی» بہترین زمانہ ہر لحاظ سے وہی تھا یقیناً جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے وحی کے ذریعے سے ہر وقت ہدایت ملتی تھی اور انہوں نے جو بھی الفاظ ادا فرمائے انکی پیروی اور انکا اتباع اسلئے لازم قرار دیا گیا کہ آپکی زبان اطہر سے نکلا ہوا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی تھی اور وحی کے وہ الفاظ تھے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے وہ انہوں نے پہنچائے اور ان الفاظ کی روشنی میں انہوں نے اس معاملے کی تطہیر فرمائی لیکن آج کے حالات ایسے ہیں کہ وحی الہی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات موجود نہیں یہ بھی دین کی تکمیل کا دوسرا پہلو ہے ۔ دین مکمل ہو چکا ہے ۔ اسی لئے اسکے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا ۔ اسکے بعد وحی نہیں آئے گی ۔ بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانیت کی تکمیل تھی اور آپکا

قائم کردہ معاشرہ بھی تکمیل کے تمام مراحل طے کر کے مثالی صورت اختیار کر چکا تھا ۔ آپکی سیرت ۔ اسوۂ حسنہ اور آپکا زمانہ « خیر القرون قرنی » قرار پائے ۔

اب موجودہ حالات کی جانب آئیے کہ ساری دنیا اس وقت دو کیمپوں میں تقسیم ہو چکی ہے ایک وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا کا خالق ہے یہ دنیا اس نے پیدا کی ہے اسکے کچھ مقاصد ہیں اور پیدا کرنے کے بعد پھر وہ اس سے الگ تھلگ نہیں ہو گیا بلکہ وہ حئی و قیوّم ہے وہ زندہ ہے ۔ وہ قائم ہے ۔ وہ دیکھتا ہے ۔ انسانی اعمال کو انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر اور یہ دنیا کا سارا سلسلہ اس کے حکم اور اس کی مرضی اور منشاء کے ساتھ چل رہا ہے اور اسکے احکامات ہیں انسانوں کیلئے کہ وہ کیسی زندگی گزاریں یہ وہ طبقہ ہے جو الہام پر یا الہاسی دینوں پر استوار کرتا ہے اپنے فلسفے کو ۔ اور دوسری جانب وہ طبقہ ہے جو نہ صرف چند ممالک میں ہے بلکہ وہ ان دوسرے ممالک میں بھی انفرادی طور پر اور گروھوں کی شکل میں موجود ہے ۔ اس طبقے کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے وہ سرے سے اس ذات سے ہی انکاری ہیں ۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا ایک حادثے کی پیداوار ہے اور حادثات ہوتے چلے جا رہے ہیں اور یہ دنیا اپنا سفر اس طریقے سے طے کر رہی ہے خواہ اسکا نام وہ DIALECTICAL MATERIALISM یا وہ ایک تاریخ کا ایک سفر اسکو کہہ لیں لیکن مادیت کا ایک سلسلہ ایسا ہے جس میں خدا کے انکار کے بعد انہوں نے اپنے فلسفے کی بنیاد رکھی مگر آپ پہلے طبقے کی جانب واپس آئیں جن کے تمام فلسفوں کی بنیاد الہام پر ہے تو ان میں بھی آپ غور فرمائیں تو آپکو معلوم ہو گا کہ اکثر و بیشتر کے پاس وہ الہاسی پیغام موجود نہیں ہے ۔ یہودیوں کے پاس وہ اصل کتاب موجود نہیں ہے ۔ دین مسخ ہوا تو پھر انجیل مقدس آئی لیکن انجیل مقدس بھی اپنی حقیقی صورت میں موجود نہیں ہے یہ وہ خود بھی مانتے ہیں کہ انہوں نے اسکی تدوین کیسے کی ۔ اور یہ تاریخی حقائق خود انکی اپنی کتابوں میں درج ہیں کہ حفاظ تو ہوتے نہیں تھے جب کئی بار وہ تلف ہوئی اسے جلایا گیا تو مختلف لوگوں نے مختلف قرطاس لکھے اور

پھر چار بڑے بڑے پادریوں نے اسے ایک بہت بڑے محافظ خانے میں لے جا کر ایک میز پر ڈھیر کر دیا اور چاروں اسکے سامنے سجدے میں گر گئے اور یہ دعا مانگتے رہے کہ جو صحیح ہے وہ وہاں قائم رہے اور جو اس میں سے غلط ہے وہ نیچے گر جائے - ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد کچھ کاغذات نیچے گر پڑے اور کچھ کاغذات باقی رہے - جو باقی رہے انکو اٹھا کر انہوں نے ترتیب دے لیا لیکن اس وقت تک ایک عرصہ گذر چکا تھا ان چار پادری حضرات میں سے دو فوت ہو چکے تھے - اس بات کا کیا ثبوت تھا کہ یہ نیچے گرے تھے یا اوپر رہے تھے جو موجود تھے انہوں نے انکو اکٹھا کرنے کے بعد ان دو کی قبور پر رات کو جا کر رکھ دیا اور یہ دعا کی کہ آپ صبح اس پر انگوٹھا لگا دیں یا دستخط کر دیں - بعد میں جب صبح انہوں نے وہاں سے مسودے اکٹھے کئے تو ان پر ان دو حضرات کے بھی دستخط موجود تھے جو فوت ہو چکے تھے تو یہ پھر چاروں کی اس تصدیق کے ساتھ انجیل آپ کے پاس موجود ہے - اس دنیا میں موجود ہے - اسکے علاوہ نہ انکے پاس کوئی دستاویزی ثبوت ہے انکی اپنی تحقیق ہے کہ یہ انجیل مقدس ان تک کیسے پہنچی اور یہ مقدس کس طریقے سے ہے اور خدا کا الہام کس طریقے سے ہے -

اب اس کیفیت کے واضح ہو جانے کے بعد پھر یہ ذمہ داری ہم پر پڑتی ہے کہ اللہ کی کتاب جس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ نے لی تھی اللہ کا احسان ہے کہ اس دنیا میں اپنی اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں یہ نازل ہوئی تھی - الفاظ اور ترتیب ہر لحاظ سے اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں اللہ تعالیٰ نے اسے چاہا کہ وہ موجود ہو اور یہ کوئی بہت پرانی تاریخ کی بات نہیں ہے یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے کوئی دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا - احادیث کے مسودات بھی موجود ہیں - انکی صحت کے بارے میں بھی ماسوائے اس شخص کے کہ جسکے ذہن میں کوئی کجی ہو کوئی دوسرا شخص انکار نہیں کر سکتا - احادیث کو مدون کرنے میں انکو محفوظ کرنے میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد کی زندگیاں محفوظ کی گئی ہیں اور اس پیمانہ پر محفوظ ہیں جہاں

شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور یون مسلمانوں نے «اسماء الرجال» کے
فن کی بنیاد ڈالی ۔ کتاب و سنت کا پیمانہ موجود ہے جس پر پرکھ کر آپ یہ بتا
سکتے ہیں کہ صحیح علم و عمل کیا ہونا چاہئے ۔ ایک لحاظ سے یہ دو خزانے
آپکے پاس موجود ہیں دنیا کی کوئی اور الہامی کتاب اس وقت دنیا میں موجود
نہیں ہے لیکن آج مسلمانوں کی کیفیت مجھے ایسے محسوس ہوتی ہے جیسے
سورۂ کہف میں اس جدار یا اس دیوار کا قصہ ہے کہ دو یتیموں کی دیوار تھی ایک
گاؤں میں جہاں کہ بڑے طاقتور لوگ رہتے تھے اور اسکے نیچے انکا خزانہ تھا اور
وہ دیوار گر چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیہ
السلام یا جو مرد دانشمند تھا اللہ کی جانب سے انکو حکم ہوا تو انہوں نے وہ
دیوار دوبارہ کھڑی کر دی تاکہ یہ خزانہ محفوظ رہے ۔ اس وقت تک جب تک
کہ یہ دونوں بچے جوان ہو کر اپنے اس خزانے کی حفاظت کر سکیں اسکو اپنے
استعمال میں لا سکیں اسکو دوسروں کیلئے اور اپنے فائدے کیلئے استعمال کر
سکتے ہوں کہ امت مسلمہ بھی اس وقت اسی کیفیت سے دو چار ہے ۔ جیسے ان
دو یتیموں کا خزانہ اس گری ہوئی دیوار کے نیچے محفوظ تھا ۔ آپکے پاس جو کچھ
محفوظ ہے آپکے پاس جو کچھ خزانہ ہے وہ دنیا میں کسی اور کے پاس نہیں ہے
لیکن ہماری کیفیت ان یتیموں سے مختلف نہیں ہے ۔ آپ ساری دنیا پر نگاہ ڈالیں
آپکو یہی کیفیت محسوس ہو گی مسلمانوں کی ۔ اور اگر ہم اکٹھے مل بیٹھتے
ہیں تو یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اس خزانے میں سے استفادہ کریں اور دعا کرتے
ہیں کہ ہم میں اللہ تعالیٰ وہ قوت عطا فرمائے وہ استطاعت دے وہ توفیق عطا
فرمائے کہ ہم اس سے استفادہ کر سکیں ۔ دنیا کو کوئی راستہ دکھا سکیں ۔
میں نے جہاں اس الہامی کیفیت کا ذکر کیا ہے اور اس پرانے سارے نظام کا نقشہ
کھینچنے کی کوشش کی ہے اس مختصر سے وقت میں تو میں نے یہ بھی محسوس کیا
ہے کہ اس وقت کی بات چھوڑ دیجئے آج کے مغرب کو لے لیجئے آج عورتوں کے
ساتھ وہاں کونسا عزت کا سلوک ہوتا ہے ۔ زمانۂ جاهلیت میں جو بچیوں کو پیدا
ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا تھا ۔ یہاں کیا دفن ہونے سے کم ہے کہ جو معاشرے
کی حالت مغرب میں آج ہے ۔ آنکی ہلاکت اس وقت کی ہلاکت سے ۔ یہ ہلاکت

زیادہ تکلیف دہ ہے اور یہی کیفیت آپ دیکھتے ہیں اس معاشرے کی ہے جس میں کمیونزم ہے ۔ ایک جبر ہے ایک مادیت ہے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ انسان صرف پیٹ کے بل بوتے پر زندہ رہ سکتا ہے ۔ روحانیت کوئی چیز نہیں ۔ خالق کوئی چیز نہیں ہے ۔ الہامی تعلیمات کوئی چیز نہیں ہیں اور پھر انکی اپنی تعلیم کی کمزوری کا آپ اندازہ فرمائیں کہ اس جبر کے نظام کو جس کو وہ خود کہتے ہیں کہ وہ مزدوروں کی ایک جنت ہے ۔ سب سے زیادہ اگر دنیا میں آج کی دنیا میں ۔ میں بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا میں آپ دیکھیں تو سب سے زیادہ مہاجر ہوئے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہجرت کئے ہوئے لوگ اسی نظام دوڑے ہوئے آپکو ملیں گے ۔ ۲۵ لاکھ سے زیادہ آپکے پاس افغان موجود ہیں ۔ ۸ لاکھ سے زیادہ ایران میں موجود ہیں ۔ آپ ایتھوپیا کے قریب صومالیہ میں جا کر دیکھیں اسی نظام سے بھاگے ہوئے موجود ہیں جہاں آپ دیکھیں گے تو اسی نظام سے بھاگے ہوئے لوگ موجود ہیں ۔ برلن کو تقسیم کر کے انہوں نے دیوار بنا دی اس پر بجلی چھوڑ دی خار دار تاریں لگا دیں لیکن لوگ دریا اور پانی میں سے سرنگیں لگا کر اس نظام سے بھاگ کر باہر نکلتے ہیں وہ جنت جسکا تصور دیتے ہیں وہ ۶۴-۶۵ سال گزرنے کے بعد بھی جہنم کا ایک نمونہ ہے انسانیت کیلئے اگر لوگوں کو آزادی دیدی جائے تو وہاں کوئی شخص رہنے کو تیار نہیں سوائے ان لوگوں کے جو شروع سے لیکر آج تک ان پر حکمرانی کرتے رہے جنہوں نے کبھی مزدوری نہیں کی جنہوں نے مساوات اپنے اوپر نافذ نہیں کی جنہوں نے ایک جبر کا نظام ضرور قائم کیا ہے ۔ میں نے گذارش شروع میں کی تھی کہ جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا کے سامنے میں کھڑا ہوں اسلئے جو بات کہنی چاہئے اسے بلاخوف و خطر کہتا ہوں ۔ خواہ اسے سن کر کسی کو خوشی ہو یا رنج ۔ اسکو ذہن میں نہیں لاتا ۔ اگر ساری دنیا کے ان دونوں نظاموں کو ۔ دونوں کی کیفیت کو سامنے رکھیں تو پھر ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اگر ہم اسے نہیں پورا کرینگے اللہ تعالیٰ کی ذات ایک بہتر طبقہ پیدا کریگی ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک بہتر قوم پیدا کریگی جو اس ذمہ داری کو اٹھائے گی ۔ اگر ہم نے صرف ایک

دوسرے پر تنقید کی یہ ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالی ۔ ایک دوسرے کی تنقیص کی یہی محسوس کیا کہ فلاں کی ذمہ داری تھی اس نے پوری نہیں ۔ کی ۔ میں بھی جانتا ہوں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اگرچہ قائداعظم پاکستان بنا گئے تھے لیکن وہ ہمیں آئین نہیں دیکر گئے ایسا محسوس کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا ہی سب کچھ کر دے ۔ یہ توقع اب بھی انہی سے کی جاتی ہے لیکن اپنی ذمہ داری کوئی محسوس نہیں کرتا یہ کہتے ہیں کہ اگر میں حکومت کے اندر شامل ہوں تو پھر مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں اسلام کے ۔ دین کے نفاذ کے سلسلے میں کوشش کروں اور اگر میں شامل نہیں ہوں تو یہ مجھ پر ذمہ داری نہیں ہے یہ کہاں کا اسلام ہے ۔ کہاں کا ایمان ہے کہاں کا دین ہے جو خدا نے ہم پر ذمہ داری ڈالی ہے وہ حکومت میں بیٹھے ہوئے دو چند ہو جاتی ہے لیکن حکومت میں نہ رہتے ہوئے بھی وہ اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا خدا کے دین کو آگے بڑھانے ۔ اس فلسفے کو آگے چلانے ۔ تمام دنیا کو یہ روشنی دکھانے کی ذمہ داری اجتماعی اور انفرادی طور پر ہر شخص پر عائد ہوتی ہے ۔ اس سے کوئی مفر نہیں ہے اگر میں ایک عام آدمی ۔ عام انسان کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش ہونگا تو بھی مجھ سے پوچھ ہو گی « لا یکلف اللہ نفساً الاّ وسعھا » ۔ جہاں تک میری وسعت ہے میری پوچھ ہو گی اور جہاں میری وسعت نہیں ہے میں بری الذمہ ہوں لیکن نفاذ اسلام کی ذمہ داری کو ہمیں اجتماعی طور پر ادا کرنا ہے ۔ میں ایک اور بات آپ سے گذارش کروں ۔ آج سیرت کانفرنسیں ہوتی ہیں ۔ سرکاری سطح پر ہوتی ہیں اور قوانین کا اجراء ہوتا ہے صدر مملکت یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ آپ آنکی رہنمائی کریں انہوں نے بلا تخصیص یہ کہا ہے کہ میں ہر ایک سے اس بارے میں مدد کا طلبگار ہوں لیکن اس معاملے میں یہ سمجھا جائے کہ صرف اس شخص کی ذمہ داری ہے اس نے آج تک کیا کیا ہے ؟ یہ اس پر ظلم نہیں ہو گا ؟ خود اپنے اوپر ظلم بھی ہے ۔ خدا کی جانب سے یہ ذمہ داری ہم سے ٹل نہیں جاتی ۔ آج کا یہ جو ماحول ہے تو آپکو علم ہے کہ اس ماحول کو ختم کرنے اور اس ماحول کو پلٹا دینے کیلئے وہ تمام قوتیں مجتمع ہو کر اپنا پورا زور لگا دینا چاہتی ہیں جو اس ملک میں اسلامی

نظام کو رائج نہیں دیکھنا چاہتیں ۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ انہیں کسقدر ناگوار گزرتی ہے ۔ آپکی یہ سیرت کانفرنسیں آپکا یہ سارا رحجان ۔ کیونکہ ایک فلسفہ اور نظام دوسرے نظام کیلئے موت ہے ۔ یاں پال سارتر جو فرانس کا بہت بڑا فلاسفر گنا جاتا ہے اس نے بھی کہا « دوسرے لوگوں کی محض موجودگی ہی جہنم ہے » ۔ ایک فلسفہ کی موجودگی دوسرے فلسفے کیلئے موت ہے جہنم ہے ۔ وہ کہاں چاہتے ہیں کہ آپکے یہاں ایک ایسا نظام موجود ہو جو باقی دنیا کیلئے ایک مثال بن سکے ۔ آپ بنا سکیں یا نہ بنا سکیں آپ نے کم از کم انکو تو چیلنج دیدیا اور وہ نہیں چاہتے اور وہ ایک ایسے انقلاب برپا کرنے کی کوشش میں ہیں تا کہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں اسکو ملیا میٹ کر دیں اسکے لئے کئی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کئی قسم کے شوشے چھوڑے جاتے ہیں ۔ اسکے لئے مختلف قسم کے ھتھیار فراہم کئے جاتے ہیں اور وہ کیوں چاہتے ہیں ۔ ؟ قرآن حکیم میں ہے جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیغام بھیجا تھا ملکہ صبا کو کہ آپ یا قبول کریں ہمارے دین کو ۔ یا جنگ کیلئے تیار ہو جائیں تو انہوں نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تیار ہیں ہم مقابلہ کرینگے ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور جو جواب ملک صبا نے انہیں دیا وہ قرآن میں سنہری حروف سے لکھا ہے یوں تو سب الفاظ سنہری حروف سے مرقوم ہیں اور یہ واقعہ بھی نسل انسانی کیلئے ایک خاص سبق ہے ۔ اس نے کہا ان الملوک اذا دخل قریۃ افسرد ھا وجعلو اعزۃ اھلھا اذلۃ ۔ و کذالک یفعلون ۔ » کہ جب کوئی بادشاہ اور جب کوئی حملہ آور خواہ نظام ہو خواہ کوئی شخص ہو جیسے کسی ملک میں یا دوسرے نظام میں داخل ہوتے ہیں تو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور جو لوگ اس نظام میں باعزت ہوتے ہیں مثال کے طور پر آج تکریم ۔ عزت ۔ احترام ان لوگوں کا کیا جاتا ہے اس موجودہ دور میں پہلے دور کے مقابلے میں جو آدمی دین کا علم رکھنے والا ہو اسکو سمجھنے والا ہو اسکی عزت و تکریم ہے صدر مملکت بھی نیچے کھڑے ہو کر ملتے ہیں ۔ تکریم کرتے ہیں انکی پیروی کرتے ہوئے باقی لوگ بھی انکا احترام کرتے ہیں رائے پوچھتے ہیں ۔ وہ جو نظام آئیگا تو پھر جو پہلے باعزت لوگ تھے انہیں نیچا کریگا یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں یہ

کوئی ایک واقعہ نہیں یہ تو ایک کلیہ ہے قاعدہ ہے ایسا ہی ہوتا تھا ایسے ہی ہو گا ۔ خدانخواستہ اگر یہ معاملہ الٹتا ہے ۔ کیونکہ انقلاب آتا ہے تو وہ STATUS-QUO موجود صورتحال کو بحال رکھنے کیلئے نہیں آتا نہ کبھی آئیگا وہ تو اسکو الٹنے کیلئے آئیگا اس لئے ہمیں اپنی ذمہ داری اپنی بساط کے مطابق اجتماعی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے ساتھ خلوص نیت کے ساتھ اپنی خاسیوں پر نظر رکھتے ہوئے اس صورتحال کے مقابلے میں جو کہ دنیا میں رائج ہے جو دنیا میں چل رہی ہے پوری طرح سینہ سپر ہو جائیں ۔ خدا کا دین تو قائم رہے گا ہم قائم رہیں یا نہ رہیں خدا کے دین کا غلبہ بھی ہو گا ہمیں غلبہ ہو یا نہ ہو آج سے بہت عرصہ پہلے ۱۹۲۵ء کی بات ہے کہ حضرت علامہ اقبال نے صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب کو ایک خط میں لکھا تھا کہ اس موجودہ دور میں اگر کوئی شخص دین اسلام کی تعلیمات کو سمجھ کر قرآن و سنت پر تدبر کر کے اسکو باقی ادیان پر غالب ثابت کریگا وہی اسی زمانے کا مجدد ہو گا کیونکہ موجودہ صدی نظاموں کے تکرار کی صدی ہے اس میں جو بہترین ہو گا قائم رہے گا اور جو کمزور ہو گا مٹ جائیگا اس میں کوئی کسی کا لحاظ نہیں رکھا جا رہا ہے بڑی شدید جنگ جاری ہے اور شدید جنگ جاری رہے گی اسلئے اگر ہمیں اللہ نے توفیق عطا فرمائی ہے اور ہمارے پاس وہ روشنی موجود ہے جس نے اس وقت کے حالات کو ٹھیک کیا تھا یعنی علاج مجرّب ہے وہ اپنے آپ کو ثابت کر چکا ہے کہ بدترین اور تاریک ترین دنوں میں بھی یہ علاج موثر ترین ثابت ہو سکتا ہے ہمارے پاس یہ قوت موجود ہے تو اسکا استعمال اجتماعی طور پر اس سارے معاشرے کی ابتدائی ذمہ داری ہے مجھے امید ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کو اجتماعی طور پر آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ استعمال کرینگے تا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں تو سرخرو ہوں ۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی جب پیش ہوں پھر بھی سرخرو ہوں کہ جو کچھ ہم سے ہو سکا ہم نے کیا ۔ حالات کے آپ جاننے والے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

******

اختتامی خطاب

الحاج نواب محمد عباس خاں عباسی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم حضرات

السلام علیکم !

مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ آج چھٹی قومی سیرت کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔

یہ کانفرنس اُن تقریبات کا ایک اہم حصہ ہے جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں صدر مملکت کی ہدایت پر ملک گیر پیمانے پر منعقد کی جا رہی ہیں۔ اس طرح حضور سرور کائنات کی بارگاہ میں تمام اہل پاکستان کو ھدیۂ عقیدت پیش کرنے اور آپ کے اسوۂ مبارک کو سننے اور جاننے کا موقع میسر آئیگا اور حضور پاک کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی زندگیاں دبالنے کی تشویق ملے گی۔

ہماری یہ کانفرنس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ حضرات کے تعاون سے ماشاء اللہ بہت کامیاب رہی ہے۔ ملک بھر کے تیس سے زاید مندوبین ہماری

*وفاقی وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور، حکومت پاکستان۔

دعوت پر یہاں تشریف لائے اور انہوں نے بصیرت افروز خیالات سے ہمیں نوازا ۔ میں نے بغور علماء کے خیالات کو سنا ۔ ہم سب ان کے مقالات کو سن کر بے حد مستفید ہوئے ۔ مگر اصل بات تو عمل کی ہے ۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لئے محفل منعقد کرنا اور اُس میں شریک ہونا بیشک بڑے ثواب کی بات ہے ۔ مگر اُس کا مقصد اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک ہم آپ کی تعلیمات کو نہ اپنائیں اور آپ کے نقش قدم پر نہ چلیں ۔ پروردگار عالم نے حضور پاک کو ساری دنیا کیلئے ایک بہترین نمونہ عمل بنا کر بھیجا ہے ۔ آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ آپ کی پیروی کی جائے ۔ اسی میں ہماری دنیوی کامیابی اور آخروی نجات ہے ۔

ہماری ان کانفرنسوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ حضور سرور کائنات کی سیرت اور آپ کی تعلیمات کو سننے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ ہم آپ کی اتباع کر سکیں ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا یہ مقصد پورا ہو رہا ہے ۔ اس وزارت کی کوشش ہے کہ اس کانفرنس میں جو مقالات پڑھے گئے ہیں آنہیں جلد از جلد شائع کرکے عوام کے مطالعے کیلئے فراہم کیا جائے تاکہ جو لوگ اس کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے وہ بھی ہمارے علماء اور مفکرین کے خیالات سے فائدہ حاصل کریں ۔

آخر میں میں ایک بار پھر آپ حضرات کی تشریف آوری اور کانفرنس کو کامیاب بنانے کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی محفلوں کے انعقاد ، اُن میں شرکت اور حضور پاک کی تعلیمات و احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

خطاب

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

الحاج زکریا کامدار صاحب*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم اما بعد
جناب صدر محترم امتیازی صاحب ، ڈاکٹر صاحب ، علمائے کرام ، دانشوران اسلام اور بزرگان محترم !

یہ دو تین منٹ بچا کر مجھے اس لئے دیئے گئے ہیں کہ اس مبارک مجلس کے اوپر فرشتے گھیرا کئیے بیٹھے ہیں اور ملائکہ اپنے پر ان ذاکرین کے پیروں میں بچھا رہے ہیں اس وجہ سے مجھے اس بابرکت مجلس میں شریک ہونے کی جو دعوت دی گئی ہے میں بہت ہی ممنون ہوں ۔ اللہ رب العزت نے حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو تعریف آپ کی ہے یہ زبان کیا بیان کر سکتی ہے ۔ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے :

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں نہ بھیجنا ہوتا تو یہ دنیا نہیں بنتی میرے دوستو ! یہ مجلس اتنی با برکت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مرتبہ حرم پاک سے جب ہوا تو صحابہ کرام سے سوال کیا گیا کہ آپ لوگ کس بات میں مشغول تھے ؟ فرمایا ہمارے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود جانتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آپ کے ذکر میں مشغول تھے

*وفاقی وزیر مملکت و مشیر برائے امور حج ، وزارت مذہبی امور۔

«فرمایا ! کہ میں سب کو یہ بشارت دیتا ہوں کہ یہ جنتی ہیں» ایک شخص ادھر سے ویسے ہی گزر رہا تھا حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ! کہ وہ بھی جنتی ہے کہ یہ مجلس اتنی با برکت ہے ۔ اسی وجہ سے میں بھی آپ کی خدمت میں اس برکت کو لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں ۔ میرے مقالے کے عنوان «حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کے ذریعے سے انسانوں کی وفا اور ان انسانوں کی حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقوں سے بے وفائی» ۔ میں اس بیان میں نہیں جاؤں گا جو ہمارے دانشوروں نے حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس امت کے لئے جو قربانیاں دی تھیں وہ کھول کھول کے بتا دیں ۔ حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انسانوں پر یہ احسان کیا کم تھا کہ انسانوں کو خدا سے جوڑ دیا ؟ اور جہنم کے راستے سے بچا کر جنت کا راستہ بتا دیا ۔ نہ صرف اتنا بلکہ آپ کو غم یہ تھا کہ میرا کوئی امتی جہنم میں نہ جائے ۔ جہنم سے بچ جائے اور اسی ضمن میں آپ حضرات نے حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قربانیوں کا ذکر اس امت کے لئے ہمارے دوسرے دانشوروں سے سن لیا اس لئے میں اسکو آپ کے سامنے دھراتا نہیں ہوں لیکن آپ نے یہ قربانیاں دیں کہ آپ کے گھر میں حاضر ہوتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ کھانے کو ہے ؟ اور فرماتے ہیں کہ تین روز سے میرے گھر میں چولہا نہیں جلا ۔ دو دو مہینے سے فاقے ہیں اور جب عرفات میں تشریف لاتے ہیں تو رو رو کر اس امت کے لئے خدا سے ساری دعائیں سنوا لیتے ہیں اِلا یہ کہ حقوق العباد ۔ اور یہ بھی نہیں جب مزدلفہ میں واپسی ہوتی ہے تو یہ جو بچی ہوئی دعا ہے اس کو بھی خدا رب العزت سے اس امت کے لئے منواتے ہیں اور شیطان کو رسوا کرتے ہیں ۔ اتنا ہی نہیں میرے دوستو جب اس دنیا سے پردہ پوشی ہو رہی ہے اس وقت بھی اللہ رب العزت سے یہی دعا اس امت کے لئے مانگی جاتی ہے کہ «اے اللہ اگر موت کی یہ سختی ہے تو میری امت کی موت کی پوری سختی میرے اوپر ڈال دے» اور اتنا ہی بس نہیں میرے دوستو ! جب قیامت میں سارے پیغمبر نفسی نفسی پکارتے ہیں اس وقت ہمارے محبوب جناب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) امتی امتی پکار رہے ہوں گے ۔ اور جب جزا و سزا سب ختم ہو جاتی ہے آپ آرام میں ہیں لیکن جہنم سے مسلمانوں

کا پیغام آتا ہے کہ ہمارے آقا کو بتا دیجئے کہ ہم اب کافی تکلیف میں ہیں اس وقت آقا سات دن کا سجدہ کر کے خدا سے ان جہنمیوں کی خلاصی کروا دیتے ہیں۔ میرے دوستو اور بزرگو! ہم اس بات کو سوچیں کہ اس وفا کے سامنے ہماری کتنی بے وفائی ہے آج حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنتوں کا جنازہ نکل رہا ہے۔ حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آخری خطبے میں فرمایا کہ « یہ دین آج مکمل ہو گیا اب کوئی رسول آنے والا نہیں جتنے حاضر ہیں غائب تک اس دین کو پہنچائیں اس لئے یہ بات صاف ہو گئی کہ مقالات میں پڑھی گئی باتیں آگے پہنچائی جائیں یہ بات نہ صرف کسی حکومت کے اوپر ہے نہ کسی ایک گروہ کے اوپر ہے یہ تو ہر امتی کو حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام دیا گیا ہے اور وہ بھی اسلئے دیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کے محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جنکی امت بھی محبوب ہے۔ اس لئے اس امت کو رسول کا کام دے دیا تاکہ یہ امت ساری امتوں کی سردار کہی جائے۔ ایمان داری سے آج ہم سوچیں کہ آج کا امتی کیا اس کے لائق تھا میرا بیان ختم ہو چکا میں صرف اتنی عرض کروں گا کہ ہم برائیوں کو مٹائیں اور اچھائیوں کو پھیلائیں اسلئے پہلے تو ہم اس مبارک مجلس میں یہ طے کریں کہ ہم مل جل کر حکومت پاکستان کو ایک ایسی درخواست اور ایک ایسا مشورہ دیں کہ جو کوئی ایک برائی کو بھی ہٹاتا ہو اور وہ اس طرح سے کہ اگر ہم سمجھیں کہ اس ملک میں اس ملت میں اس امت میں اگر نا اتفاق ہے تو ہم مشورہ کر کے اس بات کو سوچ کر ایک ٹھوس مشورہ یہ دیں کہ اس امت کے اندر سے اختلافات اس طرح دور ہو جائیں تاکہ تبدیلی ذھن جو حضور پاک نے اس زمانے میں کی جیسے راجہ ظفر الحق صاحب (وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات) نے فرمایا اس زمانے میں بھی وہی حرکتیں ہیں اس امت کی دوبارہ تبدیلی ذھن کرنی ہو گی اور اس سلسلے میں ہم سب کو شریک ہو کر حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقوں کو پھر ایک دفعہ اجاگر کرنا ہو گا اور اس ذریعہ سے ہم اور آپ سب انشاء اللہ جنت میں جائیں خدا ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

جسٹس کریم اللہ خاں درانی*

السلام علیکم

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین المصطفیٰ اما بعد

جناب صدر گرامی قدر، علماء کرام، مشائخ عظام مہمانان گرامی قدر!

آج کی اس محفل میں نہایت عمدہ، عالمانہ اور بلند پایہ مقالات کی سماعت کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ مختصر الفاظ میں اور کم سے کم وقت میں وہ مدعا بیان کر سکوں جس کے بیانؑ کے لئے میں آپ کے سامنے آیا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں، میں نے آج کی گفتگو کے لئے جو موضوع چنا وہ یہ ہے کہ حضور علیہ صلوۃ والسلام کردار کی تعمیر اور اخلاق کی اصلاح شریعت کے ذریعے سے قانون کے ذریعے سے اور قانون کی عملداری سے فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم کے طور پر ایک مشفق ساتھی کے طور ایک شفیق باپ کے طور پر انسانوں کے غمخوار کی حیثیت سے ہیں۔ ایک معلم اور ہادی کی حیثیت سے آپ اللہ کے بندوں کے کردار استوار فرماتے رہے، لیکن ساتھ ساتھ حضور کی زندگی کا ایک پہلو وہ بھی ہے کہ جس میں عدل کی تلوار کے ساتھ اور قانون کی سختی کے ساتھ رحمت کے بادل برسوا کر حضور رحمت للعالمین علیہ وسلم نے اپنے معاشرے کی تعمیر کی۔ انسانی اخلاق کی تعمیر کی اور انسانی کردار کی اصلاح کی۔ اس سے پہلے کہ میں اس موضوع پر کچھ عرض کروں

*رکن وفاق شرعی عدالت۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ موضوع کی مناسبت سے قوانین اسلامی یا شریعت کی اصطلاح کی کچھ تشریح کر دوں ۔ علماء کرام کے نزدیک لفظ شریعت سے وہ امور مراد ہیں جو زمین اور اہل زمین سے تعلق رکھتے ہیں ۔ شرع یا شاہراہ اُس راستے کو کہتے ہیں جو سیدھا اور محفوظ ہو اور اسی مناسبت سے اسلامی قوانین کو شریعت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی ایک سیدھا راستہ ہے اور جو ختم ہوتا ہے منتج ہوتا ہے فلاح اور بھلائی پر ۔ شیخ عبد القادر ادھم شہید کے نزدیک لفظ شریعت دنیا کے مروج قوانین کے بالمقابل یوں مستعمل ہوتا ہے جس سے مراد وہ تمام احکام ہوتے ہیں جن پر دین اسلام مشتمل ہے اور جو فقہ اسلامی کے ماخذ اربعہ یعنی کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ ، اجماع امہ اور قیاس پر قائم اور مشتمل ہے ۔ لیکن آج کی اس محفل میں ، مجھے اسلام کے صرف ایک ہی ماخذ پر گفتگو کرنا ہے اور وہ ہے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔ حضور رحمت للعالمین کی ایک حیثیت شارح کی ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کے ذریعے کسی قانون کو اجمالی طور پر نافذ فرماتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارح کی حیثیت سے اُس اجمال کو تفصیل عطا فرماتے ہیں مثال کے طور پر اللہ نے فرمایا اے مومنو ! نماز قائم کرو " نماز کی حفاظت کرو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اُس نماز کو ارکان ملتے ہیں ۔ نماز کو شکل ملتی ہے وجود ملتا ہے اُس کے طہارت کے طریقے ہوتے ہیں اُس میں الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اور وہ نماز جو نہایت مجمل طور پر اللہ تعالیٰ نے صلوۃ کے طور پر فرض کر دی تھی وہ اظہار عبودیت کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ بن جاتا ہے جو غالباً دنیا کے کسی اور مذہب میں آپ کو اظہار عبودیت کا وہ ذریعہ نظر نہیں آئے گا کہیں کھڑے ہو کر گھنٹیاں بجا دینا ۔ کہیں باجے پر کوئی سر گا دینا یا کسی اور طریقے سے مثلاً یہودیوں کے ہاں جیسے ہے کہ ایک مخصوص مقام یا خیمہ کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی ۔ سر پر مخصوص قسم کا کپڑا ہونا چاہیئے اور نماز کی اقتداء کے لئے خاندان ہارون علیہ السلام کا ہی کوئی فرد ہونا چاہیئے ۔ یہاں اللہ نے تمام زمین کو اللہ کے رسول نے اپنی مسجد بنایا اور صرف نماز کے سلسلے میں تمام زمین کو تمام کائنات کو مسجد بنا دیا ۔ آج تو خلا کا دور ہے آج تو

کروں پر بھی انسان جا سکتا ہے حضور نے تمام کائنات کو تمام دنیا و مافیہا جو کچھ ہے پورے کے پورے کو اللہ کی مسجد قرار دیا اور جہاں اللہ کی مسجد حضور نے قرار دیا وہاں عملاً اس بات کی تعلیم دے دی کہ بندہ خاکی تو نہ شمالی ہے نہ جنوبی ہے نہ شرقی ہے نہ غربی ھے نہ سفید ہے نہ کالا ہے اور نہ گورا بلکہ اللہ کی پوری زمین تیری مسجد اس لئے ہے کہ وہ تیرے مالک حقیقی کی ملکیت ہے اور تجھے جہاں کہیں اظہار عبودیت کرنا ہے تجھے کسی خاص خطے کی کسی خاص لباس کی ضرورت نہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حکم دیا زکوٰۃ دیا کرو ۔ حضور رحمت العالمین نے شارح کی حیثیت سے آسے ایک متوازن اقتصادی نظام کی شکل دے دی اس کی مدت مقرر کر دی کہ کتنی مدت کے بعد دی جائے گی ۔ نصاب مقرر کر دیا کہ کتنے مال پر دیا جائے گا قرآن پاک میں آ گیا کہ اس کے حقدار کون ہیں ان کے دیکھنے کے طریقے اور پھر وہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مرکز فرمایا کہ منعم اور معطی کے لئے یہ عبادت کوئی گراں باری نہ رکھتی تھی اور لینے والے کے لئے لینے والے کی عزت نفس اور آپ کی غیرت جو تھی اس کو ہر قسم کی جراحت یا خراش سے پاک و معصوم کر دیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کے شرف کی حفاظت یوں فرمائی کہ لینے والے اور دینے والے کے درمیان بیت المال کی ایجنسی قائم کر دی لینے والے ہاتھ کو دینے والے ہاتھ کے بالکل بلا واسطہ سامنے نہیں لائے بلکہ حکومت کو ایک ذریعہ مقرر کر دیا جو اس مال کو جمع کرے اور مستحقین پر تقسیم کرے تا کہ کسی حاجت مند اور کسی محروم شخص کی غیرت اور انسانی شرف پامال نہ ہو ۔

حضور رحمت للعالمین نے جس طریقے سے شریعت کے ذریعے اخلاق کی تعمیر فرمائی ہے وہ حضور کے عہد نبوت سے شروع ہوتی ہے نزول وحی کے ساتھ اور مکمل ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں آخری سانسوں کے ساتھ ۔ یہی حضور کے زمانے میں اللہ کے کلام اور حضور کی سنت سے اخذ شدہ شریعت تھی اسی شریعت کا برسبیل تذکرہ کرتا چلوں کہ حضور رحمت للعالمین

نے جس طریقے سے لوگوں کی تعلیم کی ہے اور اخلاق سنوارا ہے اُس کا ایک آخری مظاہرہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور رحمت للعالمین اس دنیا سے سفر فرماتے وقت اپنے رفیق اعلیٰ سے ملتے وقت اپنی جانشنی کے بارے میں مکمل سکوت اختیار فرماتے ہیں اور جب حضور رحلت فرماتے ہیں تو حضور کی رحلت والے دن یہ پوری کی پوری قوم حضور کی تعلیم کا اثر پورے دفاع کی «MATURITY» اور بلوغت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے اور اُس دین کو قائم کر لیتی ہے ۔ دین کی بنیاد کو قائم کر لیتی ہے اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کر دیتی ہے ۔

حضور کا عہد رسالت دو حصوں پر پھیلا ہوا ہے آپ سب حضرات جانتے ہیں ایک مکے کی زندگی ہے اس کو میں اگر کہوں کہ اسلام کی زندگی کا حمالیانی دور ہے تو بے جا نہ ہو گا یہ تیرا (۱۳) برس پر محیط ہے اُس کے بعد دس برس کی مدینہ شریف کی زندگی ہے ۔ مکے کی زندگی ایک مکمل اطاعت کا دور ہے اس میں مظالم کا مقابلہ کرنا اور ہر قسم کی شقاوت اور ستم کو برداشت کرنا ، اس میں انسان کے اندر پوشیدہ جرأت و شجاعت کو جلا دے کر اُس کو اعلائے لا الہ الا اللہ پہ لانا ہے ۔ اور دنیا کی ہمہ طاغوتی قوتوں سے لڑا دینا ہے حضرت ابوذر غفاری اسلام لانے کے ساتھ ہی صحن حرم میں جا کر با آواز بلند قرآن پڑھتے ہیں اور مار کھا کھا کر زخمی ہو جاتے ہیں ۔ حضرت عمر فاروقؓ اسلام قبول کرتے ہی وہاں جا کر ذکر کرتے ہیں ۔

جو کچھ بھی آپ کے سامنے پہلے بیان ہوا اس سے ظاہر ہے کہ انسانیت کے حسین رخ پیدا ہو رہے ہیں ۔ اخلاق کی تربیت اس طریقے سے ہو رہی ہے کہ زید و خویلد ، بلال اور آل یاسر پیدا کئے جا رہے ہیں ۔ قریش کے خوش فکرے ، شدر کے شائقین میں سے اسد اللہ و رسولہ حضرت حمزہ اٹھائے جا رہے ہیں ۔ کھلنڈرے نوجوانوں میں سے جو جوئے کی محفلوں میں بیٹھ جاتے تھے اور لونڈیوں کو یوں مارا کرتے تھے کہ جیسے اُن کی اپنی بنائی ہوئی ہیں اُن میں سے کفر اور اسلام ، اندھیرے اور روشنی کے درمیان حد فاصل قائم کرنے والے ابن خطاب سے فاروق بن گئے ۔ مریض اور ناتواں لڑکوں سے حیدر کرار اٹھائے جا رہے ہیں ۔

وہ دور ہے انسانی عظمت کی تعمیر کا انسان کے اندر کی چھپی ہوئی تمام اخلاقی قوتوں کے اظہار کا کوئی طاقت نہیں ہے کوئی سیاسی غلبہ نہیں ہے لیکن انسان کو انسان سے برابری کا سبق اس عالم میں جبکہ اس قدر ظلم و ستم ہو رہا ہے ۔ دیا جا رہا ہے ۔ نماز میں کندھے سے کندھا جوڑا جا رہا ہے ادھر کفار کا یہ عالم ہے کہ جب چاہتے ہیں اپنی لونڈیوں اور غلاموں سے جس قسم کا چاہیں ظلم و ستم روا رکھتے ہیں ان کی جانوں سے جس طرح کھیلیں کھیل رہے ہیں لیکن تربیت نبوی کا یہ عالم ہے حضور کی شریعت کا یہ مقصد ہے کہ انسان کے اندر احترام آدمیت پیدا کیا جا رہا ہے ۔ کسی مسلمان کا یہ یارا نہیں ہے ' کسی مسلمان کو یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ خود کھا کے پیٹ بھر کے اور غلام کو بھوکا سلائے ۔ اسے حکم ہے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے اور جو خود پہنے اسے پہنائے چشم عالم یہ نظارہ دیکھتی ہے اسلام کا کہ ایک واحد معاشرت ہے ایک واحد تہذیب ہے جس میں آزادوں کے بالکل برابر حقوق غلام کو حاصل ہیں ۔ آپ نے دیکھا کہ غلاموں کے زمرہ میں سے کتنے جید علماء ہوئے عہد صحابہ میں کتنوں نے تربیت پائی اور آپ نے دیکھا کہ آپ کی سیاست و سیادت کے وارث واحد قوم ہے کہ جس کے غلام ان کے داماد بن جاتے تھے ان کے گھر بار کے نہیں بلکہ ان کی سلطنتوں کے وارث ہو جاتے تھے ۔ کالے اور گورے کو ایک دوسرے سے ممیزنہ کرنے کی تعلیم و تربیت حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا رمز توحید تھا اور کہا اے لوگو ! ڈٹ جاؤ ! کہہ دو ! تمام کفر کی طاقتوں کو للکار دو ! جو مصیبت سر پہ آئے گزار دو مگر دیکھنا تمہارے اس عقیدے میں خلل نہ آئے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے ۔ سب انسانوں کا مالک وہی ہے ۔ سب کا آقا وہی ہے اور جب سب ایک کے غلام ہوئے اور سب آپ کے بندے ہوئے اور جب سب ایک کے نوکر ٹھہرے تو ان نوکروں ہی سے ان بندوں میں سے فرق مراتب کیوں ہو گیا ۔ نہ کسی مال کی وجہ سے اجارہ داری رہی ۔ نہ کوئی حکومت یا سلطنت کی عصاء برداری کی وجہ سے کوئی تحکم پیدا ہوا ۔ نہ کوئی سیاسی غلبے کا جواز بنا اور نہ مال و دولت کسی بہتری کا باعث بنا ۔ اور نہ کوئی نسبی افتخار اس بات کا باعث بنا کہ انسان دوسرے پر تفوق پائے بنا تو یہ بنا ۔ «ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم» تم میں سے صاحب تکریم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ

سے زیادہ ڈرتا ہو ۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ نیکو کار ہے ۔

اس تیرہ سال کے دور میں حبشہ کی ہجرت ، مدینہ شریف کی ہجرت ان کے ساتھ آہستہ آہستہ اختتام کو پہنچی ۔ اور پھر دین کو مکمل ہونے کے لئے دین کو اس روپ میں آنے کے لئے جو اس کے لئے مشیت ہے جو اسے رہتی دنیا تک کے لئے زندہ و تابندہ رکھے ایک مقام ایسا آ جاتا ہے کہ وہاں دین کی اعانت کے لئے سیاسی تفوق کی اور سیاسی غلبہ کی ضرورت پڑتی ہے ۔ چنانچہ ہجرت سے ذرا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے ۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ہے

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

و قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطناً نصیراً

اے رسول فرما دیجئے اے اللہ مجھے یہاں سے نکالئیے صدق و صداقت حق میں ساتھ باہر نکالئیے جہاں داخل کیجئے حق و صداقت کے ساتھ داخل کیجئے اور مجھے تقویت عطا کیجئے اپنے پاس سے حکومت کی قوت کے ساتھ ۔

حکومت کی قوت وہاں ضروری ہو جاتی ہے جب آپ کو معاشرے میں سے ظالموں کا استحصال کرنا ہوتا ہے اور جب آپ کو انسان کو انسان کے جبر سے بچانا ہوتا ہے جب انسان کا ہاتھ دوسرے انسان کے استحصال سے روکنا ہوتا ہے ۔ جب مجرموں کی کمر توڑنا ہوتی ہے ۔ یہ سیاسی تفوق مدینے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میثاق مدینہ کے بعد حاصل ہوتا اس شہری ریاست کے اندر ایک چھوٹی سی وحدت جو مسلمانوں کی تھی اس پر غور کیجئے اس کا تمام نظم و نسق کفار کے ظلم و ستم سے مہیا ہو رہا ہے اس میں کوئی آقا کوئی غلام نہیں ہے ۔ اس مسلمانوں کی وحدت میں کوئی راعی اور کوئی رعایا نہیں ہے ۔ اس میں تو آپس میں رشتے اللہ کا رسول اور ان کے ساتھیوں کے آپس میں محبت کے رشتے ہیں ۔ محب اور محبوب کے ہیں عاشق اور معشوق کے ہیں ۔ کیفیت یہ ہے کہ کفار نے خباب و زید کو پکڑ لیا اور چرکے پر چرکے

دے رہے ہیں بدلے رہے ہیں اور ابوسفیان سامنے آ کر پوچھتا ہے کہ کیا ہی اچھا ہو کہ تمہاری جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر ہو اُن کے لئے یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُن کے ساتھ کیا جائے اور تم بچ جاؤ وہ کہتے ہیں یہ گوارا ہے کہ سر کٹ جائے تو اُسے ٹھکراتا پھرے لیکن یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ اُن کے پاؤں ہیں میں کانٹا لگ جائے اور یہ عاشق و عشق کے رشتے - یہ محبت کے رشتے یہ بغیر کسی سیاسی تفوق اور غلبہ کے ہیں - اس کے بعد ایک وقت آتا ہے کہ دین کو اپنی شریعت کو قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کو قائم کرنے کے لئے اور انسان سے انسان کا جبر دور کرنے کے لئے سیاسی غلبہ کی ضرورت ہوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ہاتھوں قیصر ختم ہو گا اور پھر قیصر نہیں ہو گا اور میری امت کسریٰ کو ختم کرے گی اور دوسرا کسریٰ نہیں آئے گا تو یہ دنیا میں سے قیصریت و کسرایت کو ختم کرنے کے لئے دین کو سیاسی غلبہ اور تفوق کی ضرورت ہوئی اور جو معاشرہ اللہ کی توحید کے رمز سے وجود میں آتا ہے اور جو اپنے اندر سے تمام قسم کے مراتب کی تفریق کو دور کر دیتا ہے - جو کسی انسان کو دوسرے انسان کے کسی قسم کے تفوق کا بجز اس کے کہ اُس کے اندر کا حسن معنوی اُسے تفوق عطا کرے اور کسی کا قائل نہیں ہوتا اور جو اپنے اندر سے جبر اور استحصال کو دور کر دیتا ہے وہ معاشرہ اس کرہ ارضی پر اللہ کی زمین میں کہیں اور انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کا پابند اور مجبور نہیں دیکھ سکتا - جو اس کا فطری خاصہ ہے جو انسان کو مقام حریت اُس نے عطا کیا ہے اللہ کی عبودیت کے ساتھ اور توحید کے ساتھ اُسی حریت کو وہ دنیا میں عام کرے اور قیصریت اور کسرایت کو ختم کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لاتے ہیں تو آپ کی دس سالہ مدنی زندگی دیکھئیے جس میں شریعت تکمیل پاتی ہے اللہ جل شانہ کے احکام نازل ہوتے ہیں آپ اُن کی تشریح فرماتے ہیں - آپ ذیلی فائدے مرتب کرتے ہیں اللہ نے فرمایا :-

«یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود»

اے ایمان والو اپنے معاہدوں کی پاسداری کرو ۔ اللہ کے رسول نے فرمایا میری امت مکلف نہیں ہے ۔ میری امت مبرا ہے اس معاہدے سے جو جھوٹ سے دھوکے سے یا جبر سے حاصل کیا جائے ۔ دیکھئے اللہ کے قانون کو اللہ کے رسول نے کتنی عمدہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ۔ اللہ نے فرمایا کہ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹے جائیں صحیحین کی حدیثیں ہیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ۔ حضرت ابن عمر کی کہ ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ قیمت پر ہاتھ کٹے گا ۔ دیکھئے یہ عدل کو رحم کے پانی میں سمو یا جاتا ہے

موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آتشی شریعت تھی مجھے پتہ نہیں مستثنیٰ کئے ہوں یا نہ ہوں ہمارے سامنے حضور سے پہلے جو واضعین قوانین آئے مثلاً حمورابی یا جسٹینین یا ہندوستان کے علاقے میں منو ان کے ہاں تو ہم نے یہ دیکھا کہ قانون کو انسان کے ساتھ ہمدردی کا شائبہ بھی نہیں تھا انسان غلام ہے ۔ بادشاہ بادشاہ ہے ۔ منوجی تو یہاں تک کہہ گئے کہ اگر کوئی آدمی جو اس کا اہل نہیں ہے کہ علم حاصل کرے اگر وہ علم حاصل کرے تو اس کے کانوں میں سیسا پگھلا ہوا ڈال دو اللہ کے رسول نے فرمایا علم کا حاصل کرنا فرض ہے فرمایا علم مسلمانوں کی گم گشتہ میراث ہے آپ نے بیع اور شرأ کے طریقے مقرر کئے ایک روز مدینے میں تشریف لئے جا رہے تھے بازار میں غلہ بک رہا تھا اس میں ہاتھ ڈال دیا اندر نمی محسوس ہوئی آپ نے فرمایا اندر نمی کیوں ہے ؟ یہ نمی باہر ہونی چاہئیے اور آپ نے فرمایا کہ چیز کے عیب کو چھپا کر بیچنے والے ہم میں سے نہیں ۔ دیانت دار تاجر کو آپ نے صدیقین اور شہداء کے ہم مرتبہ فرمایا ۔ بنو مخذوم کی عورت کا مشہور واقعہ ہے آج صدر صاحب نے اپنی تقریر میں بھی اس کا ذکر کیا تھا کہ بنو مخذوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی حضرت اُسامہ ابن زید کو چنا گیا کہ وہ سفارش کریں ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کا یہ قرب تھا کہ جب مکہ فتح ہو رہا تھا تو حضور کے ساتھ وہ اونٹنی پر سو وہ سوار تھے جب انتہائی عجز کے ساتھ حضور کا سر اقدس اظہار تشکر میں اونٹنی کے کجاوے کی لکڑی کے ساتھ

لگا جا رہا تھا تو حضور کے ساتھ آسامہ بن زید تھے تو اُسامہ سے فرمایا تم سے پہلے وہی قومیں تباہ ہو گئیں جن قوموں نے اپنے متمول لوگوں کو سزا نہ دی اور اُن کا تمام انصاف جو تھا وہ بے چاروں اور غریبوں کے لئے تھا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقے سے جسے میں نے آپ سے عرض کیا بازار کے متعلق قواعد مرتب کئے ۔ شفحہ کہ کوئی طریقہ رائج تھا آس کو نہایت حسین و جمیل بنا دیا تھا تا کہ آس میں کسی کے درمیا ں کوئی اجنبی کا گزر نہ ہو معاشرے میں کسی تکلیف کا باعث نہ ہو ، سود کو منع کیا سود کے لئے ارشاد فرمایا کہ جنس کے مقابلے میں جنس ، نقدی کے مقابلے میں نقدی ، غلے کے مقابلے میں غلہ ہے اس کے برعکس خرید و فروخت ریاء ہے جو حرام ہے اور فرمایا دیا کہ اگر کسی نے قلت کے زمانے کے انتظار میں غلہ کو یا جنس کو جمع کر کے رکھا کہ وہ آس پر منافع کھائے تو اس نے حرام کھایا اور وہ مسلمانوں میں سے نہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حکومت کی طاقت نہ تھی تو آس وقت مکی زندگی میں اللہ کی شریعت اور اس کے رموز و نکات اپنے اتنے حسین و جمیل اور جمالیاتی طریقے پر رائج ہو رہے تھے کہ پورے معاشرے کو منظم کئے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے اندر وہ مکارم اخلاق پیدا ہو رہے تھے جو اللہ تعالیٰ کے ایک آخری است ، اور ایک آخری نبی اور ایک آخری پیغام کے شایان شان تھے ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تفوق اور غلبہ عطا کیا ہے تو پھر وہ تفوق اور غلبہ انسانوں کی ہمدردی کی بنیاد پر تھا ۔ انسانوں کی شفقت کی بنیاد پر تھا اللہ کے رسول کا کوئی اور مقام نہیں تھا کوئی آپکو امیر نہیں کہتا تھا ، راعی نہیں کہتا تھا کوئی سلطان نہیں کہتا تھا نہ کوئی سر پہ تاج تھا نہ کوئی سلطانی عبا تھی نہ کسی تخت پہ بیٹھتے تھے نہ کوئی جاہ و حشم تھا اپنی خوشی سے رضا کارانہ طور پر اللہ کے رسول کی حفاظت کا انتظام ہوتا تھا ۔

اللہ کی طرف سے جب پیغام آ گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا تو آپ نے شام کا وقت تھا پردے سے سر باہر نکالا اور کہا چلے جاؤ میری حفاظت کی ضرورت نہیں تو وہ نہ راعی کہلاتے تھے نہ بادشاہ کہلاتے تھے نہ امیر کہلاتے تھے ایک ہی حیثیت تھی اللہ کے رسول کی وہ تھی رسول اللہ کی۔ زندگی اسقدر سادہ ہے کہ ریت کا فرش ہے۔ کھجور کی ٹہنیوں کی چھت ہے سفیر وہاں آ رہے ہیں۔ عمال حکومت وہاں سے مقرر ہو کر بھیجے جا رہے ہیں سفراء کا تعین وہاں ہو رہا ہے۔ لوگوں کے معاملات وہاں پر طے ہو رہے ہیں۔ اللہ کی حدود جاری کی جا رہی ہیں بڑی سخت حدود تھیں اللہ تعالیٰ کی آن کے اندر اتنی نرمی پیدا فرمائی کہ میری امت کو ہر اشتباہ کی وجہ سے بچاؤ۔ آج اس زمانے کی دنیا کو دیکھیئے اس زمانے میں «ٹرائل بائی ٹارجر» تھا کسی پر الزام لگا ہے اتنی سی روٹی کسی نے چرائی ہے تو اُس کو بھی موت کی سزا مل رہی ہے۔ جرم اور اخوت کے درمیان کوئی توازن نہیں ، کوئی شہادت کا معیار نہیں کسی پر کوئی الزام ہے آگ میں ڈال دو اگر بے گناہ ہے تو بچ جائے گا پانی میں ڈبکیاں دو اگر ڈوب جائے گا تو گنہگار ہو گا اور یہاں ہو رہا ہے کہ ہر شک کا فائدہ ملزم کو ملے گا۔ فرمایا ! بار ثبوت مدعی پر ہے مدعا علیہ پر قسم ہے۔ وہ ، وہ نرم و نازک اور لطیف اصول قانون کے جو آج قانون کی سائنس پوری منضبط ہونے کے بعد دنیا میں رائج ہیں اور جس پہ آج بھی تمام دنیا میں عمل نہیں ہے وہ سب کا سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں سوسائٹی کو اُس وقت حاصل ہوتا ہے۔ مسلمان کا گھر اُس کا قلعہ بن گیا بغیر اذن کے اُس کے اندر جا نہیں سکتا۔ اوقات مقرر ہو گئے جن اوقات کے اندر جا سکتا ہے۔ وہ معاشرہ کہ جس کے اندر باپ کی بیویوں کو اپنی بیویاں بنا دیا جاتا تھا اُس معاشرے میں عورت کا وہ احترام پیدا ہوا کہ اُن میں سے کیا کون کون عالمہ و فاضلہ نہیں ہوئیں عورت کو میراث کا حق دیا گیا۔ اُس کو ملکیت دی گئی اور کیا کیا نہیں دیا گیا بچوں کے لئے اُن کی حفاظت ہوئی اور سب کچھ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا یہ پہلو بھی ہے۔ حضور کا ایک مقنن کی حیثیت سے اگر دنیا کے دوسرے واضعین قوانین کے ساتھ تقابل کریں تو بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتا

ہے صلی اللہ علی خیر خلقہ ۔ وہ خیر خلق تھے کیوں نہ ایمان لاتے اُس وقت کے لوگ اُن پر اور کیوں نہ ایمان لائیں آج کے لوگ آنکھیں بند کئے بغیر دیکھے ہوئے کہ اُن کے نور کی شعاعیں اتنے زمانے کے بعد بھی اُسی طرح زندہ و تابندہ و توانا ہیں اور شریعت بھی وہ عطا کی کہ جس میں وہ زندگی ہے کہ رہتی دنیا تک دنیا میں آپکی عقل کہیں پہنچ جائے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جو قواعد مرتب ہوتے ہیں ۔ یقین فرمایئے آج تک اُن میں کسی لوچ کی ضرورت نہیں پڑی ہے رہتی دنیا تک نہیں پڑے گی اور یہی اُن کی صداقت کی بہت بڑی گواہی ہے ۔

نبی اکرمؐ —بحیثیت معلم اخلاق

مولانا عبداللہ خلجی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم و بیش سوا چھ سو سال بعد حجاز کے شہر مکہ کے اندر عبداللہ کے گھر میں اور آمنہ کے بطن سے دنیا کا وہ عظیم معلم اخلاق پیدا ہوا جسکا ثانی پیش کرنے سے تاریخ کا ہر دور عاجز ہے اور تا قیامت عاجز رہے گا۔ دعائے ابراہیمی کے اس مجسمہ اخلاق کا نام گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس در یتیم کے اخلاقی رتبے کی رفعتوں اور سیرت و کردار کی عظمتوں کے بارے میں خود وحی خداوندی کانوں میں یوں رس گھولتی ہے: انک لعلیٰ خلق عظیم یعنی اے محمد! تم اخلاق کے عظیم ترین مرتبے پر فائز ہو۔ اسی حقیقت کبریٰ کا مصداق، صادق و مصدوق خود اپنی زبان ترجمان سے انکشاف کرتا ہے: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق—میں اخلاق عالیہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اصلی جب مکارم اخلاق کی تکمیل ٹھہرا تو اس حیثیت سے اس عظیم معلم اخلاق کی سب سے اولین خوبی اور پہلی خصوصیت یہی ہونی چاہئیے کہ خود اسکی اپنی زندگی اسی اخلاقی پہلو کے حوالے سے سب سے بلند اور نمایاں ہو۔

---

*مشیر صدر پاکستان برائے مذہبی امور، بلوچستان۔

نیکی کی تلقین کرنا اور اخلاقی اقدار پر وعظ کہہ دینا دنیا کا سب سے آسان کام تو ہو سکتا ہے لیکن نیکی کو اپنا کر اسپر جم جانا اور اخلاقی تعلیمات کا بذات خود ایک حیات آفریں پیکر بنکر مثالی نمونے کی خوبصورت اور پاکیزہ زندگی پیش کرنا وہ حسن اور کمال ہے جسکا مکمل عکس اور تمام تر جمال حضور ہی کی زندگی میں نظر آتا ہے ۔ معلم اخلاق کی اصل خوبی یہی ہے کہ جن اخلاقی اقدار کو وہ زندگی کا حسن اور زیور کہتا ہے پہلے خود انکی اپنی زندگی اسی حسن سے آراستہ اور اسی زیور سے پیراستہ ہو ۔ نبی اکرم کے خلق عظیم کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ نے اس حقیقت کی یوں نقاب کشائی کی : کان خلقہ القران ۔ رسول اکرم کا خلق قرآن تھا ۔ یعنی ان کی ذات گرامی سرتا سر قرآن تھی ۔ آن کا ہر فعل اور ہر عمل قرآنی تعلیمات کا ایک زندہ عملی نمونہ تھا ۔ گویا کہ نبی اکرم نے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے پہلے خود اس کتاب عظیم کی تعلیمات پر عمل کرکے ایک بہترین اسوہ اور مثالی نمونہ پیش کرکے ثابت کر دیا کہ وہ ایسا معلم اخلاق نہیں ہے جو وعظ و تلقین کے حسین اور دلکش پیرائے میں اخلاقی تعلیمات تو پیش کر دے لیکن خود اسکی اپنی زندگی اس اخلاقی تعلیم سے عاری ہو ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے وہ عظیم معلم اخلاق ہیں جنکو حق تعالیٰ نے خود مخاطب کرکے ارشاد فرمایا : انک لعلیٰ خلق عظیم—اے نبی تم اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہو ۔ پھر آپ کی زندگی کو بہترین اور مثالی نمونہ قرار دیکر اسی کی تقلید کا امر صادر فرمایا : لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ—تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی زندگی اور بعثت کے بعد کی زندگی دونوں یکساں طرز پر اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں ۔ نبوت ملنے سے پہلے حضور کی چالیس سالہ زندگی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پہاڑی کا چراغ دکھائی دیتی ہے ۔ وہ سوسائٹی جس سے زیادہ بدترین سوسائٹی کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے جہاں سیاسی طور پر طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا جہاں

جسکی لاٹھی اسی کی بھینس کا اصول کار فرما تھا ۔ جہاں معاشرتی برائیاں عام تھیں ، رہزنی ، لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری ک بازار گرم تھا اور پورا معاشرہ انتشار اور فساد کی آماجگا بن چکا تھا ۔ جہاں ثقافت کے نام پر رقص و سرود اور شعر و شاعری کے دنگل لگتے تھے جہاں شراب کے جام صبح و شام گردش مدام رہتے تھے اور جہاں خدا کے گھر کا طواف ننگے ہو کر کرنا باعث فخر سمجھا جاتا تھا ۔ جہاں مفلسی کے خوف سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا ۔ جہاں خانہ خدا کو تین سو ساٹھ بتوں کا بت خانہ بنا دیا گیا تھا جنکی ہر آن پرستش کی جاتی تھی ۔ ایسی تاریک سوسائٹی میں حضور نے اپنی زندگی کے چالیس سال گذارے لیکن اس طرح کہ ان تمام خرافات سے اپنا دامن بچائے رکھا ۔ آپ کی ذات گرامی ایسے ماحول کے اندر یوں نظر آتی ہے جیسے پتھروں کے ڈھیر میں ایک دمکتا موتی ہو یا پھر تاریکی شب کے اندر آسمان پر سب سے زیادہ چمکدار ستارا ہو ۔

آپ تجارتی رزم گاہ میں لاکھوں میں کھیلے لیکن کیا مجال کہ حرام کا ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے اتارا ہو یا حرام کا ایک درہم یا دینار اپنی جیب میں ڈالا ہو جبکہ آپ خود مختار تھے اور جسکا مال تجارت تھا اسکو بھی آپ پر پورا اعتماد تھا ۔ مال و دولت کی فراوانی اور دلفریبی آپ کو کسی غلط راستے پر کھینچ کر نہ لےجا سکی ۔ اخلاق حسنہ کی بلندی اور پاکیزگی کا یہ وہ معیار ہے جو ہر نوجوان اور بوڑھے تاجر کو منڈی و بازار کے اتار چڑھاؤ اور معیشت کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے اور آس دیوی کی دلفریبیوں میں نقد دل ہار دینے سے روکتا ہے اور رزق حلال کے حصول کی صعوبتوں کو جھیلنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے ۔

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی زبان آپ کی بعثت سے پہلے کی زندگی کا نقشہ تاریخ کے اوراق میں نقش ہو چکا ہے ۔ جب آپ غار حرا سے پہلی وحی کے نزول کے بعد ایک اضطرابی کیفیت لئے ہوئے گھر پہنچے تو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا : آپ خوش ہو جائیے ۔ خدا کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا ۔ آپ رشتے داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں ۔ نادار لوگوں کو کما کر

دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں اور آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں [illegible]

بعثت کے بعد کی زندگی میں آپ کے اخلاق کریمانہ اور سیرت و کردار کی بلندیوں کا کیا کہنا! اپنے مشن کیلئے جو مصائب آپ نے جھیلے اور ان پر اپنے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی اخلاقی کردار کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ آپ اپنی دعوت سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے اور بغیر کسی مداہنت اور مصالحت کے پوری پامردی کیساتھ اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے۔ اس راہ میں کسی دھمکی، کسی ترغیب، کسی لالچ اور کسی فریب میں نہ آئے جو بذات خود سیرت و کردار کی پختگی اور اخلاقی بلندی پر خود ایک محکم دلیل ہے۔

اسی طرح آپ نے میدان جنگ کے اندر بھی ان اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیا جسکا اعتراف خود دشمن بھی کرنے پر مجبور ہوئے۔ پھر فتح مکہ کے بعد اپنے خون کے پیاسوں کو اور ان تمام لوگوں کو جو ایک طویل مدت تک آپ اور آپکے ساتھیوں کو جانگسل تکلیفیں دیتے چلے آئے تھے لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر سب کو معاف کر دیا۔ بیشک انک لعلیٰ خلق عظیم ہر کام [illegible] عظیم معلم اخلاق میں دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ ایسے معلم اخلاق نہیں تھے جو محض خود مجسمہ اخلاق بنکر صرف اخلاق کا سبق پڑھا دینے پر مامور ہوں اور اس نے اسی پر اکتفا کر لیا ہو۔ بلکہ وہ ایسے معلم اخلاق تھے جو پورے ماحول اور معاشرے کو بلندی کیساتھ چاہتے تھے کہ پوری انسانیت اس اخلاقی پیکر میں ڈھل جائے۔ جسکا وہ خود ایک درخشاں نمونہ تھے۔ اس حیثیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معلم اخلاق ہونے کا اثر تاریخ میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ آپ کی صحبت، تعلیم اور تربیت کا فیضان یہ تھا کہ ایک ایسا گروہ انسانی منصہ شہود پر نمودار ہوا جسکا ثانی آپکے وصال کے بعد کسی بھی انسانی دور میں نہیں ملتا ہے۔ بلکہ ایسے گروہ انسانی کے دوبارہ روئے زمین پر پیدا ہونے کا بھی کوئی امکان باقی نہیں ہے۔ اگرچہ

اس تیار کردہ نسل انسانی سے کسب فیض اب بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ خود اس عظیم معلم ، مربی اور مزکی نے اپنے تربیت یافتہ شاگردوں کو محفل انجم سے تشبیہ دیکر فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جسکی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو قرآن حکیم خود بیان کرتا ہے۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من
انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہٖ و یز کیھم و یعلمھم الکتاب
و الحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (ال عمران ۱۶۴)

در حقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا رسول اٹھایا جو انہیں اسکی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ۔

یہی وہ گروہ انسانی ہے جس نے اس معلم اعظم اور مربی محترم کی نگرانی میں تعلیم کتاب و حکمت سے مزین ہو کر اور اپنے نفوس کا تزکیہ کرکے تھوڑی سی مدت کے اندر چار دانگ عالم میں پھیل کر اپنے معلم اعظم کی اخلاقی تعلیمات کے موتی بکھیرے اور اپنی حیات آفرین اور دلکش اخلاقی زندگی کو پیش کرکے ایک سے اٹلانٹک کے سواحل تک اور مراکش سے انڈونیشیا تک ایک عالم کو مسخر کر لیا ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم اخلاق ہونے کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اسبات کی تعلیم دی کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جسکا نتیجہ آخرت میں ہر فرد کے سامنے آنے والا ہے۔ آپ کے بقول الدنیا مزرعۃ الآخرہ ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔ اس کھیتی کو دنیا میں رہتے ہوئے جو کوئی بھی اخلاق کے پانی سے جتنا سینچے گا آخرت میں یہ اتنا ہی زیادہ ثمر آور ہوگی اس طرح بنی نوع انسان کو ان اخلاقی تعلیمات سے روشناس کرایا جو دنیا میں اسکی زندگی

کے ہر شعبے کو رحمت بنا کر رکھ دیں اور آخرت میں اُسے جنت کا مستحق بنا دیں - یہ اس معلم اخلاق کا سکھایا ہوا وہ اخلاقی نقطہ نظر ہے جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے - چنانچہ دنیا کا یہ عظیم معلم اخلاق پوری انسانیت کو دنیا میں بھی بدی کے گرداب سے نکالنا چاہتا ہے اور آخرت میں بھی جہنم کے شعلوں سے بچانا چاہتا ہے - وہ خود اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے ہوں اور تم جہنم میں گرے چلے جانا چاہتے ہو -

اس معلم اخلاق کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے زندگی کے کسی ایک شعبے ہی کے متعلق اخلاقی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کیلئے اخلاقیات کا مکمل نصاب دیا ہے - آپ نے انہیں اپنی اخلاقی تعلیمات پر مبنی ایک سوسائٹی برپا کرکے دکھا دی - انہی اخلاقی تعلیمات پر ایک نئی تہذیب پیدا کر دی اور ایک نئے تمدن کو پروان چڑھایا اور ایک ایسی فلاحی مملکت اور ریاست تشکیل دی جسکی اساس اُن اخلاقی تعلیمات پر رکھی جو آپ پر قرآن کی صورت میں نازل ہوئی تھیں جسکے نتیجہ میں ایسی خادم خلق ریاست وجود میں آئی جسکے اندر ایک انسان اپنے خدا سے ناطہ جوڑ کر بلند سے بلند روحانی منازل بھی طے کرتا ہے اور اس جیتی جاگتی دنیا میں بھی مادی ترقی میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے - جہاں عدل و انصاف ، صلح و آشتی ، معاشی فارغ البالی اور قلبی امن و سکون کا ماحول دکھی انسانیت کو میسر آتا ہے -

غرضیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک معلم اخلاق کے ایک طرف بذات خود افلاک اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھے - دوسری طرف آیات الٰہی کے وہ رمز شناس تھے جسکی روشنی میں تعلیم کتاب و حکمت کے ذریعہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مزین کیا اور اُن کے نفوس کا تزکیہ کرکے وہ گروہ انسانی پیدا کیا جس نے اسکی دی ہوئی اخلاقی تعلیم کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا دیا - تیسری طرف دنیا و

آخرت کے متعلق انہوں نے وہ اخلاقی نقطۂ نظر دیا جسے اختیار کرکے ہر انسان اپنی دنیا و آخرت کو سنوار سکتا ہے اور چوتھی طرف اپنی پیش کردہ اخلاقی تعلیمات پر مبنی وہ معاشرہ ، تہذیب ، تمدن اور ریاست عملاً برپا کر دی جس میں بنی نوع انسان کی زندگی کے تمام دکھوں اور مسائل کا حقیقی حل اور مداوا موجود ہے ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ وسلم

حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منصب و مقام

علامہ سید محمود احمد رضوی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱ - نبوت و رسالت انسانیت کی معراج کمال ہے - یہ ایک ایسا عظیم و جلیل منصب ہے جس سے بالاتر منصب اور کمال عالم امکان میں نہیں ہے - اور انبیاء و مرسلین میں حضور کی ذات اقدس تؤوجہ تکوین کائینات اور سرچشمہ حسنات و برکات ہے اور آپ کے مرتبہ کی عظمت و رفعت اور آپ کے جمال و جلال کا ادراک انسان کی سرحد عقل سے باہر ہے - آپ کی نبوت عالم گیر اور آپ کی رسالت جہانگیر ہے - آپ ہادی عالم اور مزکی کائنات ہیں - اور تمام بنی نوع انسان کے لئے مبشر و نذیر اور داعیٰ الی اللہ اور رسول کل اور ہادی جہاں ہیں - یعنی جس کا خدا رب ہے حضور اُس کے رسول ہیں - آپ کی رسالت و نبوت کی آفاقیت کے متعلق رب کائنات کا اعلان ہے :

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعلمین نذیرا	بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے عبد خاص پر قرآن اتار جو سارے جہانوں کیلئے نذیر ہے -

---

*چیئرمین ، مرکزی رویت ہلال کمیٹی و رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان -

جیسے مسلمان اور کافر مطیع و نافرمان سب اللہ کے بندے ہیں ۔ ایسے ہی تمام کائنات کے انسان اور جن حتیٰ کہ انبیائے سابقین اور ان کی امتیں حضور کی امت ہیں ۔ جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا وہ امت اجابت ہے ۔ اور جنہوں نے آپکی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ امت دعوت ہے ۔ اسی بنا پر حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ۔ مجھے اس ہستی مقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو :

ماوسعه الا ان یتبعنی

تو میری پیروی کے سوا ان کو چارۂ کار نہ ہوتا ۔

۲ ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت کے منصب جلیل کے متعلق علامہ ابن تیمیہ اپنی تالیف الصارم المسلول میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت حضور کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی ۔ حضور کی بیعت کو اپنی بیعت ۔ حضور کے فعل کو اپنا فعل اور حضور کی نطق کو اپنی وحی قرار دیا ہے ۔ جس سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا حق ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں ۔ اور رسول کی عزت اور وقار اور خدا کی عزت اور وقار کی جہت ایک ہے ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے امرونہی ۔ اخبار و بیان کے معاملہ میں

فا قامه الله مقام نفسه في نهيه وامره و اخباره وبيانه فلا يجوز الفرق بينه و بين الله تعالیٰ من هذه الامور

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا ہے ۔ لہذا مذکورہ بالا امور کی کسی بات میں یہ جائز نہیں ہے کہ خدا اور اس کے رسول میں فرق کیا جائے ۔

اس لئے ایک مسلمان کا ایمانی و اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے کسی پہلو کو بیان کرنا چاہے تو آپ کے رسول اللہ ہونے کے منصب جلیل کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے ۔

۳ ۔ دنیا کے بادشاہوں اور حاکموں کے حکم و احکام کی جو حیثیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔ ان کے احکام کی یہ حیثیت نہیں ہے ۔ کہ اگر ان کا کوئی حکم اور فیصلہ کوئی نہ مانے یا اس پر تنقید کرے یا اپنے دل میں ہی اسے غلط سمجھے تو اس کا ایمان سلب ہو جائے ۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت اور آپ کی تشریعی حیثیت کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ اور ہر ماحول میں تمام دینی اور دینوی معاملات میں آپکی حاکمیت کو جی جان سے قبول کرنے کو مومن ہونے کی لازمی شرط قرار دیا ہے ۔ اور آپ کے کسی حکم اور فیصلہ سے انکار یا اس پر تنقید یا دل ہی میں اسے غلط سمجھنے کو گمراہی و بے دینی بتایا ہے سورہ نساء میں ارشاد باری ہے ۔

فلا ربک لا یؤمنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما

اے رسول محترم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات میں تمہارا حکم نہ مان لیں پھر جو کچھ آپ فیصلہ فرمائیں اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے آپ کے فیصلے کو تسلیم کریں ۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس منافق مسلمان کا سر قلم کر دیا تھا ۔ جس نے حضور نبی کریم علیہ السلام کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ اور جب مقتول کے ورثاء نے حضرت عمر کے خلاف دربار نبوت میں استغاثہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر یہ عرض کیا تھا یارسول اللہ آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تمام معاملات میں آپ کی حاکمیت اور آپ کے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں ۔ اور اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی توثیق فرما دی اور دربار نبوت سے حضرت عمر نے فاروق کا خطاب پایا

اِسی طرح حضور نبی کریم اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث سے کرنا چاہا تو حضرت زینب اور آن کے بھائی نے اپنی عالی نسبی اور خاندانی وجاہت کی بنا پر پیغام نکاح کو رد کر دیا ۔ اس موقع پر سورہ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی ۔

ماکان لمؤ من و لامؤمنة اذاقضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم	کسی مرد موسن اور موسن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور آس کا رسول حکم فرما دیں تو آنہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے ۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس نکاح کے رد کر دینے کا اختیار حاصل تھا ۔ ایک عاقل و بالغ کا نکاح آس کی سرضی و اجازت کے بغیر کر دیا جائے تو وہ باطل محض ہے ۔ اور کسی سربراہ سملکت اور حاکم وقت کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک عاقل و بالغ فرد کے اِس اختیار کو ختم کردے ۔ لیکن حضور نبی کریم علیہ السلام کی حاکمیت اور آپ کے فیصلوں کا اعزازو اکرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کے اختیار کو رسول کریم کے حکم اور فیصلے کے مقابل بے اختیار قرار دے دیا ۔ اور اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب برضا و رغبت حضرت زید سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئیں ۔ اور آنہوں نے حکم رسول کے سامنے صمیم قلب کے ساتھ اپنے سر کو جھکا دیا ۔

۴ ۔ رسول اللہ ہونے کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت و سر براہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بھی بخشا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی عبادت و ریاضت میں بھی مصروف ہو تو عین حالت نماز میں بھی اللہ کے رسول کی آواز پر لبیک کہنا اور آن کے حکم کی تکمیل کرنا لازم و واجب ہے ۔ ارشاد باری ہے ۔

اِستجیبوا للہ وللرسول اذ ادعاکم ۔	اللہ اور رسول جب تمہیں آوازیں دیں تو فوراً لبیک کہو ۔

اذ ادعا کم کا جملہ مطلق ہے ۔ اِس میں نہ وقت کی قید ہے اور نہ ماحول و زمانہ کی اسی بنا پر مفسرین نے فرمایا کہ نمازی کو بحالت نماز بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہنا لازم و واجب ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کل جہان کے لئے مستقل طور پر مطاع و حاکم امام و پیشوا بنایا ہے اور مستقل طور پر ہی آپ کی اطاعت کو لازم و واجب قرار دیا ہے ۔

ومن یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزاعظیما	جس نے اطاعت کی اللہ اور اُس کے رسول کی اُس نے بڑی مراد کو پا لیا ۔
ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا	جس نے نافرمانی کی اللہ اور اُس کے رسول کی وہ کھلی ہوئی گمراہی میں گیا ۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں حضور کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ۔ اسے عام رکھا گیا ہے ۔ کسی قید کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ۔ بلکہ قرآن نے یہ تصریح اور حصر کیا ہے کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت اور اطاعت رسول کے بغیر اطاعت خدا ناممکن ہے ۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ	جس نے رسول کی اطاعت کی اسی نے اللہ کی اطاعت کی

اِس لئے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور رسول کی آواز پر لبیک کہنا اللہ کی آواز پر لبیک کہنا ہے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نطق رسول کو اپنی وحی قرار دیا ہے ۔

ومایںطق عن الھوی اِن ھو اِلا وحی یوحیٰ	اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ جو کچھ کہتے میں وحی سے کہتے ہیں جو ان پر کی جاتی ہے ۔

ان ھو الا میں ھو ضمیر کا مرجع نطق رسول ہے ۔ یعنی ہر اس بات کو وحیقرار دیا ہے ۔ جس پر نطق رسول کا اطلاق ہو ۔ کیونکہ اگر کسی ایک بات میں شبہ ہو جائے کہ رسول خواہش نفس سے بولتا ہے اور اس کا نطق وحی الہی نہیں ہے تو رسالت پر سے اعتماد اٹھ جائیگا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ رسول کریم کا نطق وحی الہی ہے ۔ اسی بنا پر حدیث بخاری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا :

فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منی الا الحق	مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری زبان پر حق ہی جاری ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی اِن تصریحات پر غور کیجئے کہ اِس شان کا حاکم اور اِس عظمت کا سربراہ جس کی زبان مرضی الہی کی ترجمان ہو ۔ جس کا نطق وحی رحمان ہو ۔ جس کا فعل فعل سبحان ہو ' جس کی بیعت بیعت یزدان ہو ۔ جس کی سیرت و صورت تفسیر قرآن ہو اور جس سے عقیدت و محبت روح ایمان ہو اور جس کی تعظیم و توقیر ایمان ہو ۔ ایسی طیب و طاہر اور معصوم شخصیت عالم امکاںمیں صرف اور صرف حضور سید المرسلین خاتم النبیین سید کائنات فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ستودہ صفات ہے ۔

۵ ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے اور آپ کی سیرت طیبہ و اخلاق کریمانہ کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ارشاد باری ہے ۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ	اے مسلمانو ! تمہارے لئے رسول خدا کی ذات گرامی ایک عمدہ نمونہ ہے ۔

اسوہ رسول کی عظمت و اہمیت کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ معلوم کیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

منصب و مقام اور آپ کے اقوال و اعمال کی دین اسلام میں کیا حیثیت ہے ۔ دوم یہ کہ کیا آپ کی زندگی اقدس کے حالات وواقعات محفوظ شکل میں موجود ہیں ۔ اور قیامت تک محفوظ شکل میں موجود رہیں گے ؟

۶ ۔ سوال اوّل کے جواب کے لئے یہ بنیادی بات ذہن نشین رہنی چاہئیے کہ نبی علیہ السلام صرف ایک قاصد پیامبر ' ایلچی یا بنیادی حاکموں کی طرح ایک حاکم اور بادشاہ ہرگز نہ تھے ۔ آپ کے منصب کی یہ کیفیت بھی نہ تھی کہ کسی مجلس مشاورت نے آپ کو اسلامی ریاست کا سربراہ منتخب کر لیا تھا یا آپ از خود ذاتی حیثیت میں اس منصب پر فائز ہو گئے تھے ۔ بلکہ آپ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم اور نائب اکبر اُس کی ذات کے مظہر اتم کی ہے ۔ آپ مامور من اللہ اور اللہ کے رسول ہیں ۔ جیسے آپ کی نبوت وہبی ہے ہے ایسے ہی آپ کا علم و فضل بھی عطیہ خدا وندی ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں آپ کے منصب جلیل کی نشان دہی کی گئی ہے ۔ اور آپ کی ذات اقدس کو مستقل طور پر امرونہی مطاع اور شارع ہونے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے ۔ اور آپ کی اطاعت کو کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا۔ بلکہ مطلق رکھا گیا ہے ۔ اور یہ تصریح بھی کی گئی ہے ۔ کہ اطاعت رسول ہی اطاعت خدا ہے ۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ — جس نے رسول کریم کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی

سورہ حشر میں فرمایا :—

ماآتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوہ ۔ الحشر : ۷ — یہ رسول جو کچھ حکم دیں اسے لے لو جس سے منع کریں اُس سے رک جاؤ ۔

سورہ اعراف میں ارشاد ربانی ہے ۔

یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات ویحرم — وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے اِن کو روکتا ہے اور ان کے لئے پاک

علیھم الخبائث (الاعراف: ۱۵۷)	حمزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے ۔

اسی طرح سورہ نحل میں آپ کے شارع کتاب اللہ ہونے کے منصب کا بیان ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وانزلنا الیک الذکرلتبین للناس ما نزل الیھم النحل : ۴۴	اور اے نبی یہ ذکر (قرآن) ہم نے تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں پر واضح کر دو اس تعلیم کو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے ۔

اِن آیات میں قرآن کے امرونہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ امرونہی اور تحلیل و تحریم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل قرار دیا گیا ہے ۔ جس سے اِس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ دین صرف قرآن ہی نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل اورسیرت و کرداراور آپ کا اسوہ حسنہ بھی اللہ کا دین اور اُس کی شریعت ہے جیسے قرآن مجید کے احکام کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے ایسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل اور دین سے متعلق آپ کی ہدایت کو تسلیم کرنا اور اُن پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ۔

۷ ۔ رہا یہ سوال کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ محفوظ شکل میں موجود ہے ۔ تو قرآن کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضور کی سیرت طیبہ اور آپ کے اقوال و اعمال کا قیامت تک محفوظ و مدوّن رہنا ضروری ہے ۔ آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ سے بھی اس سوال کا جواب ملتا ہے کیونکہ اس آیت میں حضور کے اسوۂ حسنہ کو زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی جو ہدایت دی گئی ہے تو اس پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ قیامت تک محفوظ شکل میں محفوظ رہے ۔ اسی طرح آیت واللہ یعصمک من الناس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے ۔

۸ ۔ ابتدائی دور میں صحابہ کرام شمشیر بکف حضور کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا کرتے تھے ۔ ایک رات صحابہ کرام حسب دستور پہرے پر تھے کہ سورۂ مائدہ کی آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی حضور علیہ السلام نے فرمایا :

انصر فوافقد عصمنی اللہ — لوگو ! واپس ہو جاؤ میری حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے ۔

اگرچہ آیت کا شان نزول خاص ہے ۔ مگر اس کا عوم و اطلاق یہ بتاتا ہے ۔ کہ جب جسم نبوی حفاظت خدا وندی میں آ گیا تو ذات کے ساتھ صفات نبوی بھی اللہ کی حفاظت میں آ گئیں ۔ پس جیسے قرآن حفاظت خدا وندی میں آ کر تحریف و تبدیل اور باطل کی آمیزش سے محفوظ مصون ہے تو ایسے ہی اس آیت کی روشنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات ، قول و عمل اور آپ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کا اللہ تعالیٰ کی نگہبانی اور حفاظت میں آکر باطل کی آمیزش سے پاک و صاف رہ کر قیامت تک محفوظ رہنا بھی ضروری و لازمی ہے ۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ صفحات تاریخ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کے بانیوں کی تصویریں دھندلی ہیں ۔ مثلاً زرتشت کے متعلق آج تک قطعی اور یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس زمانہ اور کس ملک میں پیدا ہوا ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے آخری تین سالوں کے کچھ حالات ملتے ہیں ۔ لیکن آن کی زندگی کے مکمل حالات و واقعات کے بیان سے تاریخ خاموش ہے ۔ یہی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سچے اور بر حق انبیاء سابقین کی ہے ۔ کہ قرآن مجید اور انجیل کے توسط سے ان نفوس قدسیہ کے کچھ حالات زندگی مجمل طور پر سامنے آ جاتے ہیں ۔ مگر ان کی مکمل سوانح حیات ایک راز سربستہ ہی ہے ـــــ اِس کے برعکس حضور خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صرف ایک ایسی ذات گرامی ہے ۔ کہ آپ کی سیرت و صورت ، اخلاق و کردار اعمال و افعال آپ کی زبان مبارک کا ایک‌ایک لفظ اور

آپ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ غرضیکہ آپ کی زندگی اقدس کے حالات اپنی تمام جزئیات کے ساتھ محفوظ ہیں ۔ نہ صرف یہ بلکہ حضور کے طفیل جن قدسی صفات افراد صحابہ کرام نے حضور کے حالات زندگی محفوظ و مرتب کئے ان میں سے تقریباً دس ہزار صحابہ کرام کی زندگی کے تمام کوائف ان کا نام و نسب اخلاق و سیرت بھی محفوظ ہے ۔ حتیٰ کہ ان بے زبان جانوروں اور بے جان چیزوں سے بھی دنیا متعارف ہو گئی ۔ جنہیں کسی نہ کسی موقع پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے نسبت ہو گئی ۔

ایمان و دیانت سے غور کیجئے کہ عالم امکان میں صرف ایک ہی ایسی ہستی ہے جس کی سیرت و صورت ' اخلاق و کردار اور جس کی زندگی کا ہر گوشہ محفوظ ہے ۔ محفوظ رہنے کی اس کے سوا اور کچھ وجہ نہیں ہے ۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا محافظ و نگہبان اللہ تعالیٰ ہے ۔ اس لئے ملت اسلامیہ کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ اور ہر آن حضور سرور کائنات فخر موجودات محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیتہ کے منصب جلیل کو پیش نظر رکھے اور آپ کے اقوال و اعمال اور سیرت و کردار کو اپنا رہنما بنائے اور اپنے تمام دینی و دینوی ' داخلی و خارجی ' سیاسی و تمدنی ' معاشرتی و سماجی مسائل اور الجھنوں کو حل کرنے میں قرآن اور صاحب قرآن کی حاکمیت و سربراہی کو دل و جان سے قبول کرے ۔

نعمت عظمیٰ[۴]

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی*

نحمده و نصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کے لئے ہیں جو ہر شے کا خالق و مالک حقیقی ہے اسکی ذات و صفات میں کوئی اسکا شریک نہیں اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی امت میں سے کیا ۔ ہزاروں نعمتیں عطا فرمائیں ۔ وان تعد وا نعمتہ اللہ لا تحصوھا ۔ ہر نعمت بے بہا اور بے مثال ہے ۔ انسان اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس خالق کائنات کے لئے وقف تشکر کر دے تو بھی حق ادا نہیں ہو سکتا ۔

اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں مگر احسان نہیں جتایا ۔ اگر وہ ہر نعمت پر احسان جتاتا تو اسکی شان عظمت کے منافی نہ ہوتا ۔ مگر اس نے مومنوں پر اپنا احسان جتایا تو صرف ایک نعمت پر اور وہ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے چنانچہ فرمایا ۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ اس نے انہی کے نفسوں میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ۔

---

*خطیب ، رکن فیڈرل کونسل (مجلس شوریٰ) ۔

معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور آپکی تشریف آوری اللہ کا احسان عظیم ہے ۔ بلاشبہ آپ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے اور باقی سب نعمتیں آپ کا صدقہ اور طفیل ہیں ۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ ہمیں اسلام ، ایمان ، قرآن اور اللہ تعالیٰ کی معرفت آپکی بدولت حاصل نہ ہوئی ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپکی بعثت سے پہلے دنیائے انسانیت اخلاق و کردار کے لحاظ سے پستیوں کا شکار تھی انسانی زندگی ، درندگی کا نمونہ بنی ہوئی تھی ۔ قتل و غارت ، خون ریزی ، حرص و طمع ، لوٹ مار شراب خوری ، زنا کاری ، جوا بازی ۔ غرضیکہ ہر برائی انسانی معاشرے میں موجود تھی ۔ مذہبی حالت یہ تھی کہ خود ساختہ معبودوں کی پرستش ہوتی تھی ۔ محسن انسانیت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر اس تیرہ و تاریک دنیا کو ہدایت کے نور سے روشن و منور کر دیا ۔ جن لوگوں کی زندگی بے مقصد اور بے فائدہ گذر رہی تھی اسے بامقصد اور فائدہ مند بنا دیا انکی بے ضابطہ زندگی کو ایک مکمل ضابطہ دین اسلام کی صورت میں عطا فرمایا ۔ اس دینی ضابطے کو انسان کے رگ و ریشے میں اتارنے کے لئے ان تھک محنت اور کوشش کی ، گلیوں اور بازاروں میں پتھر کھائے ۔ سخت ایذائیں برداشت کیں ۔ یہانتک کہ وطن چھوڑا مگر منزل مقصود کو پالیا یعنی انسانیت کو اس راہ مستقیم پر گامزن کر دیا جو فلاح و کامیابی ، امن و آشتی ، صلح و محبت کی امین تھی ، وہ لغویات جنہوں نے انسانوں کو حیوانوں سے بدتر بنا دیا تھا ممنوع ہو گئیں ۔ لوگوں میں وہ خصائل پیدا ہو گئے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل ہو گئے اور انہیں دوسرے لاکھوں کروڑوں انسانوں سے ممتاز کر گئے ۔ وہ جو غلاظت کے مجسمے تھے طہارت کے پیکر بن گئے ۔ جو اپنے برے اخلاق و کردار کیوجہ سے حیوانوں سے بدتر تھے وہ اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کیوجہ سے فرشتوں سے افضل ہو گئے ، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ایکدوسرے کے جاں نثار بن گئے اپنوں کی عزت و ناموس کو لوٹنے والے دوسروں کی عزت و ناموس کے محافظ بنگئے بت پرست ، خدا پرست

ہو گئے ' کافر مومن بنگئے ' ظالم عادل بنگئے غرضیکہ دنیائے انسانیت میں انقلاب آگیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر غلام ہدایت کا ستارہ اور آنے والی نسلوں کے مقتدا و پیشوا بنگیا۔

تیرے قدوم پاک کے فیض و اثر سے بنگئی
رو کش گلشن جناں دہر کی بزم بے ثبات
تو نے مٹائیں محفل شرک و خودی کی زینتیں
لرزہ بدوش کر دئیے پیکر لات و منات
کرکے بلند وحدت رب قدیم کا علم
کر دیا اھل کفر کو غریق یم تحیرات

ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت پوری دنیائے انسانیت کے لئے ایک نعمت و رحمت ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمتہ للعالمین ۔ لہذا حضور رحمت عالم کی بعثت اور تشریف آوری پر پوری دنیائے انسانیت کو خوشی و مسرت کا اظہار کرنا چاہیے ۔ جہانتک ایمان والوں کا تعلق ہے وہ تو جسقدر بھی خوشی و مسرت کا مظاہرہ کریں کم ہے کیونکہ مومنوں کے لئے تو آپکی ذات خاص کر کے رؤف و رحیم ہے بالمومنین رؤف رحیم ۔

مقام مسرت ہے کہ حکومت پاکستان سرکاری طور پر جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عقیدت و محبت اور ادب و احترام سے مناتی ہے جو عین سعادت اور باعث رحمت و برکت ہے اسمیں شک نہیں کہ آپکی تشریف آوری کی خوشی منانا علامت ایمان و محبت اور باعث برکت ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ جسکی آمد کی خوشی ہم مناتے ہیں اسکے آنے اور تشریف لانے کا مقصد کیا تھا ۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے ۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ۔ اللہ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول معظم کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تاکہ وہ اس سچے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے ۔ معلوم ہوا کہ آپکی بعثت کا مقصد دین برحق کی تعلیمات و ہدایات کو

جو انسانی زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرتی ہیں غالب و مسلط کرنا تھا ۔ اسلئے کہ انسان کی جان و مال ۔ عزت و آبرو اور اس کے تمام حقوق کا تحفظ اسی ہدایت و تعلیم پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے ۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی سچی خوشی اور جشن میلاد یہ ہے کہ حضور جس عظیم مقصد کو لیکر تشریف لائے اس مقصد کو زندہ رکھا جائے اور آپکی تعلیمات و ہدایات پر عمل کیا جائے اور کرایا جائے ہماری دینی و دنیاوی کامیابی اسی میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ و بارک وسلم

اخلاق کے میدان میں آنحضورؐ کی امتیازی شان
عدل و اعتدال

ڈاکٹر اسرار احمد*

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہی نہیں خاتم النبیین ہیں اور آپ پر نبوت ختم ہی نہیں مکمل بھی ہوئی ہے ۔ اور آپ صرف ایک رسول ہی نہیں خاتم‌المرسلین ہیں اور آپ کی رسالت آخری ہی نہیں دائمی بھی ہے ۔ اور ہر پہلو سے اِکمال و تکمیل اور اتمام و تتمیم ہی آپ کی نبوت و رسالت کی امتیازی شان ہے ۔ چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں بھی «اکملت» اور «اتممت» ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ، یعنی ،

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ؕ	آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کا بھی 'اکمال' کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا بھی 'اتمام' کر دیا ۔ اور تمہارے لئے (ابدالآباد تک کے لئے) ' اسلام ' کو بطور دین پسند کر لیا ۔

اور سورۃ توبہ کی آیات ۳۲-۳۳ اور سورۃ صف کی آیات ۸ ، ۹ میں بھی « اظہار دین الحق علی الدین کلہ » کے ضمن میں متصلا ذکر فرمایا گیا ' اِتمام نور ' کا

*ستارۂ امتیاز، رکن فیڈرل کونسل (مجلس شوریٰ) ۔

سورۃ توبہ میں «ویابی اللہ الا ان یتم نورہ» کے الفاظ میں اور سورہ صف میں «واللہ متم نورہ» کے الفاظ میں۔ دونوں مقامات پر «ولو کرہ الکفٰرون» کے تحدید آمیز الفاظ کے اضافے کے ساتھ!

اور یہی شان ظاہر ہوتی ہے آنحضور کے ان اقوال مبارکہ میں کہ:

«إنما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق» اور «إنما بعثت لاتمم حسن الاخلاق» — یعنی میں تو مبعوث ہی اسی لئے ہوا ہوں کہ 'مکارمِ اخلاق' اور 'محاسن اخلاق' کی تکمیل و تتمیم کردوں۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آپ سے پہلے جلیل القدر انبیاء اور اولوالعزم رسل اخلاق حسنہ کی جن بلندیوں اور رفعتوں پر نظر آتے ہیں ان میں آنحضور کی بعثت سے کون سا تکمیلی یا تتمیمی اضافہ ہوا ہے؟ — کیا یہ واقعہ نہیں کہ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں لوگوں کی جانب سے ایذا و مخالفت پر صبر میں حضرت نوح علیہ السلام بلند ترین مقام پر ہیں جنہوں نے ساڑھے نو سو برس تک صبر و مصابرت پر مداومت کی، اسی طرح، جان و مال کے ضمن میں اللہ کی جانب سے ابتلاء و آزمائش پر صبر کی چوٹی پر فائز ہیں حضرت ایوب علیہ السلام جن کا صبر ضرب المثل ہے، حسن خلق اور تواضع میں بلند ترین مقام پر ہیں سیدنا ابراھیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام — مقامِ شکر پر بتمام و کمال متمکن نظر آتے ہیں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام... مخاطبہ و مکالمۂ الٰہی میں ممتاز اور عزت و حمیت دینی سے سرشار نظر آتے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، تو تائید روح القدس کے اعتبار سے نمایاں ترین اور زہد و ورع کی بلند ترین چوٹیوں پر متمکن نظر آتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اسی طرح حلم ختم ہے حضرت اسماعیل پر تو تبتل کی انتہا نظر آتی ہے حضرت یحیٰ میں — تو سوال یہ ہے کہ اخلاقیات انسانی کے میدان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان کیا ہے — اور بالخصوص آپ کا وہ کارنامہ کون سا ہے جسے محاسن و مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم کا مظہر قرار دیا جا سکے؟

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت مبارکہ کا نمایاں ترین وصف اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کا نقطۂ ماسکہ اور آپ کے قائم کردہ نظام اجتماعی کی امتیازی شان ہے **عدل و اعتدال ! !**

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام نامی اور اسم گرامی " العدل " بھی ہے—یعنی سراپا عدل و مجسم انصاف ۔ قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا تاہم متعدد مقامات پر آپ کی اس شان کا ذکر موجود ہے ۔ مثلاً :

۱ ۔ واللہ یقضی بالحق (المومن : ۲۰) — « اللہ تعالیٰ فیصلے صادر فرماتا ہے بالکل حق کے ساتھ ! »

۲ ۔ وتمت کلمت ربک صدقاً و عدلاً (انعام : ۱۱۵) — « تیرے رب کی (ہر) بات صدق و عدل کے (جملہ معیارات کے مطابق) پوری ہو چکی ہے ۔ »

۳ ۔ شھد اللہ انہ لا الٰہ اِلا ھو والملٰئکۃ و اولوا العلم قائماً بالقسط » (آل عمران : ۱۸) — « خود اللہ بھی گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں ۔ وہی عدل و انصاف کو لے کر کھڑا ہے ! »

صوفیائے کرام کے حلقے میں ایک حدیث نبوی « تخلقوا باخلاق اللہ » کثرت سے بیان ہوتی ہے ۔ اور اگرچہ محدثین کرام کو اس کی سند پر کلام ہے تاہم اس کا مضمون بھی قرآن مجید کے متعدد مقامات سے ثابت ہے ۔ مثلاً سورۃ تغابن میں ارشاد ہوتا ہے : « وان تعفواو تصفحوا و تغفروا فان اللہ غفور رحیم » یعنی « اگر تم معاف کر دیا کرو اور درگذر سے کام لیا کرو اور لوگوں کی خطاؤں کو بخش دیا کرو تو اللہ بھی غفور اور رحیم ہے ! »—ظاہر ہے کہ یہ الفاظ مبارکہ

لوگوں کو ترغیب دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان غفوری اور رحیمی کا ایک عکس اپنے اندر بھی پیدا کرو ۔ اب اگر یہ بات اصولاً درست ہے تو اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہی کہ جملہ صفات و شئون باری تعالیٰ کا کامل و اکمل اور جامع ترین عکس ہے ذات محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام—اور چونکہ صفات باری تعالیٰ میں بعض بظاہر ایک دوسرے سے متضاد بھی ہیں جیسے یہ کہ وہ «المعزا» بھی ہے اور «المذل» بھی ' «الرافع» بھی ہے اور «الخافض» بھی ' «القابض» بھی ہے اور «الباسط» بھی—اسی طرح «الظاھر» بھی ہے اور «الباطن» بھی اور «الغفور» بھی ہے اور «المنتقم» بھی ' لہذا اللہ تعالیٰ کا اہم ترین وصف ہو گا ' عدل ' جو نہ صرف جملہ مخلوقات کے مابین عدل و انصاف کی صورت میں جلوہ گر ہو گا بلکہ خود اسکی جملہ صفات و شئون میں توازن و اعتدال کی صورت میں ظاہر ہو گا—شائد یہی رمز ہو اس میں کہ جبکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے اسماء حسنی یا اسم فاعل کی صورت میں ہیں یا صفت مشتبہ (فعیل) کے وزن پر یا اسم مبالغہ (فعال یا فعول) کے اوزان پر وہاں اسم احسن ' العدل ' مصدر پر مبنی ہے—بہر حال اسی اسم احسن ' العدل ' کا عکس کامل ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم—گویا آپ ' العادل ' ہیں یعنی ' عادل کامل '——! !

چنانچہ ایک جانب خود آپ کی اپنی سیرت مطہرہ عظیم ترین مظہر ہے عدل و اعتدال کا اور آپ کی شخصیت مبارکہ حسین امتزاج ہے جلال و جمال اور بشریت و ملکیت کا ۔ بقول علامہ اقبال مرحوم

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب !

واقعہ یہ ہے کہ دنیا پرستی یا حب عاجلہ اور ترک دنیا یا رھبانیت کی دو انتہاؤں کے مابین صحیح ترین نقطہ عدل تلاش کرنا ہو تو وہ ملے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ میں ۔ اسی طرح عورت کو بھیڑ بکری کی طرح کی ملکیت اور جوتی کی نوک سمجھنے اور اختیارات و معاملات کو اس کے حوالے

کرکے خود تابع سہمل بن جانے کی افراط و تفریط کے مابین اعتدال کی روش دیکھنی ہو تو وہ بھی ملے گی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں۔ اسی طرح اسراف و تبذیر اور بخل و شح کی انتہاؤں کے مابین اعتدال کا رویہ دیکھنا ہو تو وہ بھی نظر آئے گا آنحضور کی ذات مقدسہ میں۔ اسی طرح ایک طرف ذاتی معاملات میں خون کے پیاسوں تک کو معاف کر دینے میں «والکا ظمین الغیظ و العافین عن الناس» (آل عمران : ۱۳۴) کی مکمل تصویر اور دوسری طرف اللہ کے دین کے قیام اور اسکی حدود کے اجراء و نفاذ کے ضمن میں ولاتا خذکم بہما رافۃ فی دین اللہ» (النور : ۲) کا کامل مرقع اگر بیک وقت دیکھنا ہو تو وہ بھی میسر آئے گا صرف سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں۔ وقس علیٰ ذٰلک !

دوسری طرف جو تعلیم آپ لے کر آئے اس میں بنیادی اہمیت حاصل ہے عدل و انصاف اور قیام نظام وقسط کو۔

۱ - واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (النساء : ۵۸)	جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل سے کام لو۔
۲ - وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط (المائدہ : ۴۲)	اور اگر آپ ان کے مابین فیصلہ کرنا قبول ہی کر لیں تو فیصلہ انصاف کے ساتھ کریں۔
۳ - قل امر ربی بالقسط (الاعراف : ۲۹)	کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔
۴ - ان اللہ یا مر بالعدل (النحل : ۹۰)	یقیناً اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا۔
۵ - واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربیٰ (الانعام : ۱۵۲)	اور جب بھی بات کرو تو انصاف کے مطابق کرو خواہ معاملہ تمہارے کسی کسی قرابت دار ہی کا ہو۔

۶ - یٰایها الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله و لو علی انفسکم او الوالدین والاقربین (النساء : ۱۳۵)

اے ایمان والو عدل و انصاف کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے حق میں گواھی دو خواہ وہ تمہارے خلاف پڑ رہی ہو ، خواہ تمہارے والدین یا اقرباء کے خلاف جا رہی ہو۔

۷ - یٰایها الذین اٰمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنٰان قوم علیٰ آن لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی (مائده : ۸)

اے ایمان والو اللہ کے علمبردار اور عدل و انصاف کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو ۔ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے ۔

۸ - لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت و انزلنا معهم الکتب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید: ۲۵) -

ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بینات دے کر اور نازل کی اُن کے ساتھ کتاب اور میزان تا کہ لوگ قائم ہوں عدل و انصاف پر ۔

۹ - وقل اٰمنت بما انزل الله من کتاب و امرت لاعدل بینکم (الشوریٰ : ۱۵)

اور کہہ دیجیئے میں ایمان رکھتا ہوں اُس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں ۔

۱۰ - ان الله یحب المقسطین (المائده، الحجرات، الممتحنه)

یقیناً اللہ محبت فرماتا ہے انصاف کرنے والوں سے ۔

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب تو فصل خصومات ! رفع نزاعات کے لئے وہ سنہری اصول متعین فرمائے جن کو آج عالم انسانی میں قبول عام ہے ۔ مثلاً یہ کہ کسی ایک فریق کی بات سن کر اور

فریق ثانی کو صفائی کا موقعہ دئیے بغیر فیصلہ دینا غلط ہے ۔ یا یہ کہ دلیل یا ثبوت مہیا کرنے کی ذمہ داری مدعی کی ہے نہ کہ مدعا علیہ کی اور اگر مدعی ثبوت نہ دے سکے تو مدعا علیہ کی جانب سے محض قسم یا حلف بھی دعوے کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے یا یہ کہ شک کا فائدہ ملزم کو پہنچتا ہے—سحب خواہ ایک سو ملزم بری ہو جائیں لیکن کوئی ایک بے گناہ بھی خواہ مخواہ سزا نہ پائے— اور آخری لیکن اہم ترین یہ کہ قانون کی نگاہ میں سب لوگ برابر ہیں ۔ کسی بڑے سے بڑے انسان حتیٰ کہ سربراہ مملکت کو بھی کوئی امتیازی مقام یا خصوصی تحفظ حاصل نہیں ہے—دوسری طرف آپ نے وہ نظام عدل اجتماعی قائم فرمایا جس کی یاد تاحال نوع انسانی کی اجتماعی تاریخ میں ایک حسین خواب کی مانند باقی ہے ۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو اس نظام عدل اجتماعی کا اصل وصف بھی عدل و اعتدال ہے چنانچہ اس میں نظام سیاست و حکومت کے ضمن میں ایک جانب انسانی حاکمیت اور یا جمہوریت اور دوسری جانب مذہبی طبقے کی حکومت و آمریت کے مابین حاکمیت الٰہی (DIVINE SOVLREIGNTY) اور عوامی حکومت (POPULAR VICERGERCY) کا معتدل اور متوازن راستہ اختیار کیا گیا—اسی طرح نظام معیشت کے باب میں ایک جانب انفراء ملکیت کی نفی مطلق اور جبری مساوات کے مابین تصور امانت پر مبنی محدود ذاتی تصرف اور محدود حلال و حرام کی پاک معیشت کی درمیانی راہ اختیار کرکے اجتماعیات انسانیہ کی دو اعلیٰ ترین اقدار یعنی آزادی اور مساوات کے مابین بھی عدل قائم کر دیا۔ صلی اللہ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ وسلم مختصر یہ کہ عدل و انصاف اور توازن و اعتدال کے ضمن میں انسان کی جھولی میں فی الوقت اگر کچھ موجود ہے تو وہ لازماً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ ہے اور اگر نوع انسانی ان کے حصول کے لئے کوشاں ہے تو گویا وہ اپنی نظام مصطفیٰ کی تلاش میں سرگرم ہے ۔ گویا بقول علامہ اقبال مرحوم :

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
زانکہ از خاکش بروید آرزو

یاز نور مصطفیٰ اورا بہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است !

دین مصطفویؐ

مولنا سعدالدین شرکوٹی*

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

ماہیت دین:-

سادہ لفظوں میں کہئے تو دین نام ہے زندگی کے طریقے کا یا ایسے نظام کا جو زندگی کا چلن سکھائے ۔ اگر زیادہ ہی فلسفیانہ یا فقہی پیرایہ اختیار کرنا چاہیں تو یوں کہہ لیجے کہ "اعتراف ربوبیت" کے ساتھ زندگی کو جو چلن ملے اُسے دین کہتے ہیں ۔ البتہ میں اس وقت ذرا سادہ انداز ہی میں مخاطب رہنا زیادہ پسند کروںگا ۔

فکر انسانی کی نارسائیاں:-

ظاہر ہے کہ زندگی کے طریقے مختلف ہیں اور انسانوں کا طرز حیات بدیہی طور پر دوسرے جانداروں سے مختلف ہے اور ہونا چاہئے ۔ انسانوں نے زندگی کے مختلف طریقے اپنائے ہیں ۔ کچھ میں لذت پرستیاں ہیں ۔ کچھ میں مفاد پرستیاں اور خود غرضیاں ۔ کہیں رہبانیت اور ترک دنیا ہے ۔ کہیں کوشش و تدبیر پر جنون کی حد تک تکیہ ۔ کہیں شور و شر اور فساد و آویزش ہے ۔ کہیں مادیت پرستی اور دنیوی فخر و غرور ۔ کہیں ہناں وہم و گماں ہیں ۔ کہیں متاع غرور اور فریب سودوزیاں ۔

---

*معمار عالم و مبلغ دین ۔

ایسے تمام ادیان اور طرز ہائے حیات جنکی اصل اور روح میں ایسی چیزیں ہیں صرف دو (۲) وجوہ سے ایسے ہیں یا تو اسلئے کہ وہ انسانوں کے ساختہ نظریات و نظام ہیں یا ان کی فکری حدیں حیوۃ دنیا اور متاع دنیا تک محدود ہیں ۔ انسانی فکر کا تعلق اگر وحی و الہام سے نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا تصور زندگی محدود رہ جانا لازمی اور منطقی ہے اور دنیا ہی کا اسکے لئے مقصود و مطلوب ہو جانا قدرتی ہے ۔ اس صورت میں جو نظریۂ حیات بنے گا اسکے ساتھ طمع و حرص ۔ کشمکش و فخر ۔ آویزش و جبر ۔ اسکے ساتھ ہی بعضوں کی محرومی و پسماندگی ۰ امتیاز و عدم مساوات ۰ نفرت اور سفاکی جیسی چیزیں پیدا ہونا بھی فطری ہیں ۔ ایسے قوانین زندگی سے بنی نوع کے لئے دنیوی فائدے اور فلاح و نجات کی صورت بھی متوقع نہیں ہو سکتی چہ جائکہ اخروی فلاح و کامیابی جس سے غیر الہامی ادیان کا تعلق ہی نہیں ہوتا ۔ نورِ وحی کے بغیر آخرت تک عقل انسانی کی رسائی ممکن ہی نہیں ہے ۔ اسطرح ادنی غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ھے کہ انسان کے بنائے ہوئے اور غیر آسمانی ادیان انسان کو فلاح و کامیابی نہیں دے سکتے کیونکہ انسانی سوچ بہرحال نہ بے لاگ ہو سکتی ہے نہ مکمل رسا ۔

دین کامل :-

صرف وہ دین جو خالق کائنات کی طرف سے نازل ہوا اور جو بذریعہ وحی اللہ کے برگزیدہ نبیوں کے ذریعے آیا وہی بجا طور پر برحق رکھتا ہے کہ سب انسانوں کے مفادات کے تحفظ والا نظام زندگی دے اور زندگی کا حقیقی اور مکمل تصور پیش کرے ۔ اس دین کی مکمل اور آخری صورت وہ ہے جو دین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والتسلیم سے انسانوں کی ہدایت نمائی کا یہ سلسلہ چلا ۔ اسی وقت رب العزت کی طرف سے باخبر کر دیا گیا تھا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ اگر تمہارے پاس میری کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کریگا اسے کوئی خوف اور غم نہ ہوگا ۔

کامیابی اور فلاح کی اس ضمانت کے ساتھ یہ سلسلہ ہدایت نمائی چلتا رہا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ پر یہ سلسلہ دین بدیں الفاظ مکمل ہو گیا کہ «الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً» ۔ آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ۔ تم پر میں نے اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ''۔ یہ گویا توثیق فرما دی گئی کہ یہی مکمل اور واحد دین ہے جو ذریعۂ فلاح و کامرانی بنی نوع انسان ہے ۔ عقلاً بھی یہی ثابت تھا نقلاً بھی یہی ثابت ہے اور دین کامل ہونیکی ہی بنا پر دین مصطفوی اسلام قدرتی طور پر آن تمام صفات و خصوصیات کا حامل ہے جنکی ضرورت انسانیت کو ہے اور رہی ہے ۔

دین مصطفوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں حقیقت پسندی ہے ۔ اجتماعیت کے ٹھوس اصول ہیں ۔ توہم محض کی بجائے اسمیں علم و عقل و استدلال ہے ۔ جمود کی بجائے حرکت ہے ۔ جنون محض کی بجائے توازن ، توسط اور اعتدال ہے ۔ یہ بیک وقت نہایت اندیشہ بھی ہے اور کمال جنون بھی ۔ اس سے اسمیں ایک حسین امتزاج ہے اور سہانا پن ۔

دین و دنیا:۔

انسان کے سکون و کامیابی اور طمانیت کی اصل بنیاد روحانیت ہے نہ کہ مادیت چنانچہ بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ بہترین مادی آسائشوں میں بھی انسان بے چین نظر آتے ہیں ۔ مادی فراوانیوں کے ساتھ اضطراب اور تشویش میں اضافہ ہی ہے ۔ من کی دنیا کا سکھ تن کی دنیا کی بہتری سے انسان کو نہیں مل سکا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی مادیت کی اہمیت ، بشری تقاضوں اور جسم کی ضرورتوں سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ تن کی بے لطفی و بے کیفی کے من پر پڑنے والے اثرات کی بھی کلیتہ تردید نہیں کی جا سکتی ۔ مادی تقاضوں کی عدم تسکین بھی روح کی بالیدگی کو کچھ نہ کچھ متاثر تو کرتی ہی ہے ۔

اکثر ادیان و مذہب ان دونوں چیزوں میں توازن قائم نہیں کر سکے ۔ کسی نے صرف روحانیت کی طرف رخ رکھا ' کسی نے صرف مادیت کو مطمح نظر بنایا ۔ کسی نے جسم کو بالکل نظر انداز کیا ۔ کسی نے جان کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں ۔ دین حضرت مصطفیٰ نے ان دونوں کو متوازن کیا اور ایسا رشتہ قائم کیا کہ دونوں میں تضاد کی بجائے ہم آہنگی پیدا ہو گئی ۔ اسی سے انسان حقیقی طمانیت اور سکون پا سکتا ہے ۔ اس دین میں اگر نماز ' روزہ وغیرہ عبادات ہیں تو بال بچوں کی خبر گیری ' بیوی کی پاسداری ' کسب معاش ' علمی ترقیات ' جد و جہد یہ سب بھی عبادتیں ہیں حکمہ یاد خدا کے ساتھ نیکی اور اطاعت الہی کے جذبے قاعدے اور ضابطے میں رہکر کیے جائیں ۔ یوں ساری دنیا کو بھی دین بنا دیا گیا اور یہی سب چیزیں «بت» بن جاتی ہیں جب انہیں خدا فراموشی کے ساتھ ' حرص و ہوس کے تحت مقصود نگاہ بنایا جائے ۔ تبھی یہ روح کو میلا اور قلب و نظر کو دھندلا کرتی ہیں ورنہ جلائے روح اور ذریعہ رضائے خداوندی بن جاتی ہیں ۔ اسی لئے اس دین میں حقوق اللہ بھی ہیں ۔ حقوق العباد بھی اور حقوق النفس بھی ۔ اسی لئے یہ دعا بھی بتلائی گئی ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ۔ اس دین میں نیت و جذبہ اور اعمال کے محرکات و عوامل کا رخ صحیح کرکے روحانیت و مادیت اور دین و دنیا کو ہم آہنگ کر دیا گیا اور ہر چیز کو اپنے اپنے صحیح مقام میں رکھا گیا ۔ انسان کو خود فریبی کے بغیر صحیح تسکین ایسے ہی دین میں مل سکتی ہے جو حقائق کا انکار نہ کرے اور فطری قوانین سے مطابقت رکھے ۔ یہ صرف دین حضرت مصطفیٰ ہی ہے ۔

انسان کی ناآسودگیاں اور ان کا مداوا:۔

انسان کی بے چینی اور ناآسودگی کی بنیاد ہمیشہ حق تلفیاں ' امتیازات ' جبر ' عدم مساوات اور غیر منصفانہ رویے رہے ہیں ۔ جب انسان پتھر کے زمانے میں یا جنگلی زندگی کے دور میں تھا تو اسپر جنگل کا قانون «جسکی لاٹھی اسکی بھینس» چلتا رہا اور جب انسان شائستہ و مہذب کہلانے لگا ۔ اس نے ترقی و تمدن کی

وادی میں قدم رکھا تب بھی یہ قانون نہ بدلا ' صرف اسکی شکلیں بدلیں ۔ انسانوں نے نظامہائے زندگی بنائے ۔ تہذیب کے خوشرنگ پردے سجائے لیکن کسی نہ شکل میں چیز یہی رہی کہ کچھ بالا دست اور کچھ زیر دست ۔ یہی تو وہ چیز ہے جو انسان کے سینے میں ہمیشہ بری طرح کھٹکی ہے ۔ جس سے وہ مجروح ہوتا رہا ہے ۔ اس دکھ پر ہی انسان ہمیشہ چیخا اور کراہا ہے ۔ وہ اپنے ابنائے جنس کا قانون و حکم کیسے مانے ' وہ خود کو دوسروں سے کیسے کم جانے ' وہ تو خود انہی میں سے ہے ۔ وہ عزت نفس رکھتا ہے ' وہ اپنے جیسوں کے قانون میں کیسے تسکین پا سکتا ہے ۔

انسان کبھی بھی اسلئے نہیں تڑپا کہ وہ بجلیوں کو مٹھی میں کیوں نہ لے سکا ۔ موجوں کو لگام کیوں نہ لگ سکا یا ستاروں پر کمند کیوں نہ ڈال سکا ۔ وہ اخوت کی فضا میں سانس لیتے ہوئے اسی زمین پر اپنی جھونپڑی میں بھی خوش رہا لیکن ترقی کے دوش پر بھی سوار ہو کر وہ غیرمساوی رویوں اور امتیازات مصنوعی سے نالاں رہا اور گھٹن محسوس کرتا رہا ۔ کوئی تونگر ہو تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ۔ وہ کم مایہ ہو تو اُسے کچھ افسوس نہیں لیکن وہ برابر کی حیثیت کا انسانی درجہ کسی طور قربان نہیں کر سکتا یہ اس کا حق ہے یہ اسکا فطری تقاضا ہے ۔ کوئی سا دین بھی جو انسانوں نے بنایا یا انسانوں کی دستبرد میں رہا انسان کے اس دکھ کا مداوا نہ کر سکا ۔ انسان کو اماں ملی تو اُسی دین میں جسمیں ایک خالق حقیقی کی حاکمیت ہے اور سب انسان اُسی کے تابع اور عبدیت میں مساوی جسمیں نہ عربی کو عجمی پر فوقیت ' نہ سرخ کو کالے پر ۔ جہاں کوئی برتری ہے تو صرف تقویٰ اور معیاری کرداریت پر ۔ اس دین نے انسان کے حیوانی غرور کو یہ کہکر توڑ دیا کہ «تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوا»

دین مصطفوی نے انسان کے زخم پر مرہم رکھدیا جب اس نے مذہبی مساوات دی ۔ قانونی مساوات دی ۔ معاشی اور سماجی مساوات دی اور خواتین کو بھی جنہیں مردوں نے اپنی غلامی کیلئے پیدا شدہ جانا تھا زندگی کے مساوی

حقوق ، انسانیت کا برابر کا درجہ عطا کیا اور انہیں تقدس اور عزت و حرمت سے نوازا! اس دین نے سیدالقوم کو خادم القوم بتایا ۔ امیر وقت کو بڑھیاؤں کا خدستگذار بنایا اور محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا ۔

درد کا اصل درماں:۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان ہی انسان کے حق میں زیادتیاں کیوں کرتا ہے؟ کیوں دست درازی ہوتی ہے، کیوں حق تلفیاں ہوتی ہیں، کیوں دوسرے کو حقیر اور زیردست رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے؟—صرف اسلئے کہ انسانیت پر حیوانیت و نفسانیت غالب آتی ہے ۔ تحریک عمل کا سرچشمہ یعنی داخلی میلانات و رحجانات نادرست ہوتے ہیں ۔ انہی داخلی میلانات و محرکات کا نام اخلاق ہے حضور اور آپکے لائے ہوئے دین دین نے اس چشمے کو صاف بنایا اور انسانیت کے حق میں رحمت بنے ۔

اسلام صرف سطحی اور خارجی اصلاح کا نہ قائل ہے نہ اس پر مدار رکھتا ہے ۔ سرچشمہ اخلاق خراب ہو تو خرابی رک نہیں سکتی اور کوئی بھی اصلاح اسوقت تک حقیقی اور پائیدار ہو نہیں سکتی جبتک اسکی عمارت اخلاقی بنیادوں پر استوار نہ ہو اور انسان میں باطنی انقلاب پیدا نہ ہو ۔ اسی لئے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں»۔

اسلام نے بے شک اپنے نظام میں قانونی تعزیرات رکھی میں ۔ یہ بھی ضروری ہیں لیکن اسلام انہیں مسئلے کا اصل حل یا ذریعہ عمل نہیں سمجھتا یہ صرف پاداش عمل ہیں—انسان نظر آنے والا اس وقت تک انسان نہیں ہوتا جبتک وہ اندر سے انسان نہ ہو ۔ دین مصطفوی میں اسی اصلاح کو بنیادی اہمیت دیگئی ہے تاکہ وہ صورت حال بدلے اور وہ اسباب ختم ہوں جن سے انسانیت کو چرکے لگتے ہیں ۔ اس مقصد کو یہ دینی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کے ذریعے حاصل کرتا ہے ۔

انسان بدلتا ہے تو انسان کی دنیا بدل جاتی ہے ۔ محبت ' خیر ' سلامتی کے دھارے بہہ نکلتے ہیں ۔ فلاح کی راہیں کھل جاتی ہیں ۔ زندگی کے سانس لطف دینے لگتے ہیں ۔ ایسا ہی ہوا ہے اور جب بھی اس دین کو اسکے حقیقی مقتضیات کے ساتھ اپنایا جائیگا ایسا ہی ہوگا ۔ دین مصطفوی کے علاوہ اور کونسا دین ہے جو مستذکرہ بنیادوں پر اپنی عمارت اٹھاتا ہے اور انسانی دکھوں کا مداوا کرتا ہے ؟

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اوفوا بالعقود

جناب نعیم صدیقی*

پاسداری عہد بنیادی انسانی اخلاقیات میں سے ہے - ایک طرف فطری طور پر انسان کا ضمیر قول و قرار کا احترام ضروری سمجھتا ہے ' دوسری طرف مختلف زمانوں اور ملکوں میں آنے والے پیغمبران خدا نے عہد و پیمان کو پورا کرنے کی تلقین اتنے وسیع پیمانے پر کی ہے کہ الحاد و کفر میں مبتلا ہونے والے بدنصیب لوگ بھی وعدوں کی اہمیت محسوس کرتے ہیں -

عام نگاہ سے دیکھیں تو تمدن کی ساری عمارت میثاق و پیمان کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے - انسانی معاشرے کے تمام ادارے اور تمام تعلقات—وہ سیاسی ہوں یا معاشی یا معاشرتی یا بین الاقوامی—میثاق و پیمان پر استوار ہوتے ہیں - اگر کسی معاشرے میں وعدوں کا احترام باقی نہ رہے تو اس میں کوئی خیر و خوبی باقی نہیں رہ سکتی - تمام اداروں کی بنیادیں ہل جائیں گی - نہ افسر اور ملازم میں اعتماد رہے گا ' نہ اجیر اورمستاجرمیں ہم آہنگی ہو سکے گی ' نہ لین دین کے معاملات خیر و خوبی سے چل سکیں گے ' نہ ازدواجی تعلقات اور خاندانی رابطوں میں استحکام ہوگا ' نہ حکومت اور شہریوں میں تعاون چل سکے گا -

---

*صدر ' مجلس ادارت «سیارہ» ' مصنف «محسن انسانیت» -

اسلامی نقطۂ نظر سے غور کریں تو پوری دینی زندگی قائم ہی اُس اقرار پر ہوتی ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے ۔ ایمان لانے والا دراصل یہ عہد کرتا ہے کہ اُس نے اللہ کو اپنا رب واحد ، رسول کو اپنی پوری زندگی کا پیشوا اور اسلام کو تمام شعبہ ہائے حیات کے لئے لائحہ عمل کے طور پر قبول کر لیا ہے ۔ خدا اور رسول نے جو کچھ حکم دئے ہیں ، انہیں وہ مانے گا ، جن چیزوں سے روکا ہے اُن سے وہ باز رہے گا جو کچھ حلال قرار دیا ہے اسے حلال مانے گا اور جو کچھ حرام قرار دیا ہے اسے حرام تسلیم کرے گا ۔ یہ ایک رضا کارانہ فیصلہ ہے جس کے تحت آدمی نفس کے بہت سے تقاضوں سے دست بردار ہو کر اپنے آپ کو دین کی حدود کا پابند بناتا ہے ۔

قرآن میں ایمان لانے کو ایک سودا قرار دیا گیا ہے ، یعنی آدمی اپنی زندگی کو خدا کے حوالے کرکے جواباً جنت حاصل کرتا ہے جو رضائے الٰہی کا اعلیٰ ترین مظہر ہے ۔ اس سودے کی ایک قیمت دنیا میں بھی ملتی ہے اور وہ ہے حیات طیبہ اور زمین میں نیابت ۔

عہد و پیمان کے متعلق طرح طرح سے تاکیدیں کی گئی ہیں ۔ ایک مختصر جامع حکم ہمارے سامنے ہے جو سورہ الانعام کی پہلی آیت ہے ، یعنی اوفوا بالعقود ۔ اپنے طے شدہ معاہدوں کا حق ادا کرو ۔ اور حضور نے فرمایا : لا دین لمن لا عھدلہ ۔ یعنی جس شخص میں پاس عہد نہیں ، اس میں دین نہیں ۔ اور نفاق کی تین علامتوں میں سے ایک یہ بتائی کہ اذاوعد اخلف ، یعنی اسکی مستقل عادت یہ ہو کہ جب وعدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے ۔

آپ آئیے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ سے روشنی حاصل کریں ۔ مکہ میں ایک بار کسی شخص نے حضور سے کہا کہ آپ ذرا یہاں رکئے ، میں ابھی آتا ہوں ۔ وہ شخص اپنے وعدے سے غافل ہو گیا ۔ اتفاقاً تین دن بعد اُدھر سے گذرا تو دیکھا کہ حضور وہاں موجود ہیں ۔ رسول برحق نے اُس سے فرمایا کہ تم نے مجھے بہت اذیت دی ۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا ۔

غزوہ بدر کے قریب کی بات ہے کہ دو مسلم نوجوان ابو حذیفہ بن یمان اور ابو حسیل مکے سے مدینے آ رہے تھے ۔ راستے میں قریش مکہ کے آدمیوں نے اُن کو روک لیا ۔ آخر اس وعدے پر ان کو نجات ملی کہ وہ میدان بدر میں لشکر مکہ کے خلاف نہیں لڑیں گے ۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا ۔ مسلم لشکر کی قلت تعداد کے باوجود حضور نے اُنہیں لڑنے سے روک دیا ۔ اور فرمایا کہ جو وعدہ کرکے آئے ہو ، اسے لازماً ایفا کرو ۔ ہماری مدد اللہ تعالیٰ خود کرے گا ۔

معاہدۂ حدیبیہ جس فضا میں لکھا جا رہا تھا وہ کھچاؤ اور تناؤ کی فضا تھی ۔ جب یہ شرط طے پائی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی بلا اجازت مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائیگا ، اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائیگا ، تو مسلمانوں میں اس غیر مساویانہ فیصلے پر اضطراب پیدا ہوا ۔ اُدھر یہ ہوا کہ عین اسی حالت میں معاہدہ کے لئے قریش کے مقرر کردہ نمائندے سہیل بن عمرو کے صاحبزادے ابو جندل بیڑیاں پہنے مجلس معاہدہ کے سامنے آگئے ۔ وہ مسلمان ہونے کی سزا بھگت رہے تھے ۔ ان کی فریاد سن کر مسلمانوں کے جذبات میں ہل چل مچ گئی ۔ حضور نے سہیل سے کہا کہ ابو جندل کو مستثنیٰ کر دو ، مگر وہ نہ مانا ۔ تب حضور نے ابو جندل اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ معاہدہ میں ہم نے ایک بات تسلیم کر لی ہے ، اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے ۔ حضور نے دل پر پتھر رکھ کر وعدے کا احترام کیا ۔

رسول برحق نے تو غیر ملفوظ سمجھوتوں کا شدید احترام فرمایا ۔ واقعۂ نخلہ میں مسلمانوں کے ایک مختصر گروہ کے سردار واقد بن عبداللہ کے تیر سے عمرو بن الحضرمی مقتول ہوا ۔ مغالطہ یہ ہوا کہ مسلمان سمجھے کہ ممنوع القتال مہینہ ماہ رجب ختم ہو کر شعبان شروع ہو گیا ہے ۔ لیکن حقیقت میں وہ ماہ حرام کی آخری تاریخ تھی ۔ حضور نے اس کارروائی کو ناپسند فرمایا اور حرام مہینوں کی تسلیم شدہ حرمت کے تحت مقتول کا خونبہا دشمنوں کو از خود بھجوا دیا ۔

پھر رسول اللہ کا امت پر یہ احسان ہوا کہ آپ نے لین دین ، بیع وشری ، قرض اور ملازمت اور شرکت و مضاربت کے معاہدوں کے لئے خاص خاص قاعدے مقرر فرما دیئے ۔ اور فریقین کے درمیان حقوق و فرائض کا توازن قائم کر دیا ۔

ایک بڑا معاہدہ ازدواج کا معاہدہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ عقدۃ النکاح بھی انہی عقود میں داخل ہے جن کے لئے ایفا کا حکم دیا گیا ہے ۔ اس معاہدے کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطاب میں مردوں کو توجہ دلائی کہ اپنی عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو ، کیونکہ تم نے اُن کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور اُن سے تمہارا جسمانی تعلق اللہ کے قانون کے تحت قائم ہوتا ہے ۔ پھر دونوں صنفوں پر واضح کیا کہ ہر ایک کو دوسرے پر حقوق حاصل ہیں ۔ مردوں پر عورتوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری ڈالی اور عورتوں کو حفظ عصمت کا ضابطہ بتا کر انہیں شوہروں کے گھروں کی کارپرداز قرار دیا ۔ پھر مردوں سے یہ فرمایا کہ تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں ۔ معاہدہ ازدواج کا ٹوٹنا ، یعنی طلاق خدا و رسول کو سخت ناپسند ہے ۔ جہاں شدید مجبوری ہو ، وہاں یہ سبق دیا کہ بیویوں کو کچھ دے دلا کر خوبصورتی سے جدا کرو ۔

امانت کی بنیاد بھی دراصل اس وعدے پر ہے کہ امانت رکھنے والا اُس کی حفاظت کرے گا اور طلب کرنے پر واپس لوٹائے گا ۔ اس خوبی کے لحاظ سے حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے مثال مقام رکھتے ہیں کہ نبوت سے پہلے ہی قوم نے آپ کو صادق و امین تسلیم کر لیا تھا ۔ حتیٰ کہ مکہ میں جب رسول خدا اور سابقون الاولون کے خلاف تشدد کی گرم بازاری تھی ، اس وقت بھی مشرکین تک اپنی امانتیں حضور کے پاس رکھواتے تھے ۔ اس ضمن میں کیا دوسری مثال پیش کرے گی تاریخ ، کہ عین ہجرت کی راہ پر قدم رکھتے ہوئے حضور نے حضرت علی کو اس غرض کے لئے پیچھے چھوڑا کہ وہ اہل مکہ کو حضور کے پاس رکھوائی ہوئی امانتیں واپس کرکے مدینے آئیں ۔

امانت کی تعریف میں اقتدار اور عہدے بھی شامل ہیں ۔ حضرت ابوذر نے کسی عہدے کے لئے درخواست کی تو حضور نے فرمایا : انها امانة و انها یوم القیامة خزی وندامة ۔ یعنی یہ عہدے اور سرکاری ملازمتیں محض ذریعۂ معاش نہیں ہیں ، یہ امانت ہیں اور جو ان کا حق ادا نہ کرسکے گا اسکے لئے قیامت کے دن یہ امانتی مناصب رسوائی اور پشیمانی کا سبب بن جائیں گے ۔

اقتدار کے لئے حکمراں اور شہری کے درمیان بیعت کا سلسلہ قائم کیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت شریعت کے قانون و حدود اور معروف امور کے دائرے میں رہ کر حکم دے گی ، اور شہری ایسے ہر حکم کی پابندی کرے گا ۔ اس معاہدے کی صحت کا دارو مدار اس پر ہے کہ حکومت کا اعلیٰ منصب ہو یا نمائندگی اور مشاورت کی ذمہ داریاں ، صرف ایسے لوگوں کو لیا جائے جو ایمان علم اور تقویٰ کے لحاظ سے فوقیت رکھتے ہوں ۔ برے حکمرانوں اور عہدہ داروں کے متعلق حضور نے فرمایا کہ جو اُن کے حلقوں میں گھسا جس نے اُن کے جھوٹ کو سچ قرار دیا اور جس نے اُن کی ظالمانہ کارروائیوں میں کوئی تعاون کیا وہ قیامت کے روز حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرنے سے محروم رہے گا ۔

خود رسول برحق نے دس لاکھ مربع میل کی فرماں روائی پا کر جس عجز و فقر سے اپنا دور گذارا وہ تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ ہے ۔ حکومت کے اختیارات سے اپنے لئے ، اپنی ازواج اور اہل بیت کے لئے ، کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا ، کوئی جائیداد نہیں بنائی ، کوئی ترکہ نہیں چھوڑا ، کوئی خصوصی حقوق حاصل نہیں کئے ، کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا ، اختلاف رائے کی کسی کو سزا نہیں دی ، کسی کی زبان بندی نہیں کی ، کسی کو سیاسی نظربندی میں نہیں ڈالا اور عوام کو تنگی میں مبتلا نہیں کیا ۔ گھر کا حال یہ رہا کہ کئی کئی دن فاقوں میں گذرتے ، کبھی نہایت قلیل اور ناقص غذا پر گذر ہوتی ، مگر کیا مجال

کہ خدا کے بیت المال میں امت کے لئے جو امانت محفوظ تھی اس میں ذاتی مفاد کے لئے آپ نے کوئی تصرف کیا ہو ۔ دوسروں میں ڈھیروں مال لٹاتے اور خود دامن جھاڑ کے اٹھ کھڑے ہوتے ۔ یوں اقتدار کی بیعت کا حق آپ نے ادا کیا ۔

اللهم صل علی سیدنا و مولنا محمد وعلی ال سیدنا و مولنا محمد و بارک و سلم !

خلق عظیمؐ

محمد صلاح الدین*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے ۔ اسے احسن تقویم پر بنایا گیا ، اس کے جسد خاکی میں اس کے خالق نے خود اپنی روح پھونکی ، اس کے وجود پر اپنی لا محدود صفات کا ایک ہلکا سا پر تو ڈال کر اسے مظہر صفات الٰہی بنایا ۔ اسے وہ علم عطا کیا جو فرشتوں کو بھی حاصل نہ تھا ۔ اسے اشرف المخلوقات قرار دے کر فرشتوں سے سجدہ کرایا اور عظمت آدم تسلیم کرائی گئی ، اسے جنت کی ناقابل تصور راحتوں اور نعمتوں سے نوازا گیا اور پھر زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی وسیع بزم کائنات سجا کر اور زمین کو کبھی نہ ختم ہونے والے سامان زیست کے خزانوں سے بھر کر اسے خلیفہ اللہ کے عظیم منصب پر فائز کرکے یہاں بھیجا گیا ۔

یہ عظمت و رفعت بلا امتیاز مذہب و ملت ہر انسان کو محض انسان ہونے کی بنا پر حاصل ہے لیکن اس گروہ انسانی میں بعض نفوس قدسیہ کو خلافت کے علاوہ ایک اضافی اور خصوصی منصب نبوت کا بھی عطا ہوا ۔ جس سے انہیں دوسرے لوگوں کی نسبت بلند تر درجے پر فائز کیا اور پھر اس خصوصی گروہ

*مدیر "جسارت" ، کراچی ۔

انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک کو خاتم النبین اور رحمۃ للعالمین قرار دے کر اورو انک لعلیٰ خلق عظیم کی سند جاری کرکے ازل سے ابد تک وجود میں آنے والے پورے عالم انسانیت میں بلند ترین مقام پر فائز کردیا ۔ اس پر درود بھیجا ۔ فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی کہ اس عظیم ہستی پر مسلسل درود بھیجتے رہو مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے بغیر تمہاری نماز مکمل ہو گی نہ قابل قبول اور قیامت تک کیلیے اعلان کر دیا گیا کہ اب انسانوں میں سے کسی کو ہدایت و رہنمائی حاصل کرنی ہے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرے اور اسی نمونہ کامل کی طرف دیکھے ۔

حضور اکرم کو یہ مقام و مرتبہ کیوں عطا ہوا؟ اس سوال پر غور کیا جائے اور قرآن کریم میں اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ حضور نے کار نبوت کی تکمیل فرمائی ہے اور یہ کار نبوت تھا—تکمیل اخلاق

[حضور نے اپنے مشن کی وضاحت خود ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ

انما بعثت معلما

مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے

[اور پھر اس معلم انسانیت نے اپنی تعلیم کا مقصد یہ بتایا ہے کہ

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

میں تو مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں

[ایک اور حدیث میں یہی بات ان الفاظ میں کہی گئی ہے

بعثت لا تمم حسن الاخلاق

میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں

اب یہ ظاہر ہے کہ کسی بھی کام کی تکمیل کیلئے خود اس میں کامل ہونا ایک لازمی شرط ہے کمال کے بغیر تکمیل کا تصور محال ہے ۔ حضور اکرم کو یہ کمال کس درجے میں حاصل تھا اس کا اندازہ خالق کمال کی جاری کردہ اس سند سے ہو جاتا ہے کہ

وانک لعلیٰ خلق عظیم (القلم : ۴)

اور بیشک اے محمد ! تم اخلاق کے عظیم ترین مرتبے پر فائز ہو ۔

میں اس خلق عظیم کی صفات اور اس کے عملی مظاہر کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا ۔ قرآن اور ہماری کتب سیرت و احادیث کے اوراق اسوہ حسنہ کی تفصیلات سے جگمگا رہے ہیں ۔ میں اس سے ہٹ کر اس پورے نظام تعلیم و تربیت کے خط و خال واضح کرنے کی کوشش کروں گا جس کے ذریعہ سیرت و کردار کا یہ اعلیٰ ترین نمونہ انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کیلئے ہمارے سامنے آیا اور جس کے بغیر ہم اس نمونہ کامل کے اتباع کی صلاحیت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے اخلاق در حقیقت علم و عمل اور قول و فعل کی ایسی کامل ہم آہنگی اور یکجائی کا نام ہے جس میں علم کا عمل سے اور قول و فعل سے کوئی تضاد اور تصادم نہ ہو ۔ خارجی اعمال کا قلب و ضمیر کی داخلی زندگی سے کہیں ٹکراؤ نہ ہو اور شخصیت مربوط و منظم ہو ، منتشر اور منقسم نہ ہو ۔

اس نوعیت کی اخلاقی زندگی کیلئے علم کا درست ہونا ضروری ہے ۔ اگر علم کی بجائے کوئی شخصیت جہل کو اپنے اعمال کی بنیاد بنا بیٹھے اور اس کے اندر قول و فعل کی کامل ہم آہنگی بھی موجود ہو تو ہم اس کے کردار کو اخلاقی کردار قرار نہیں دے سکتے کیونکہ قول بجائے خود ناقص اور جہل پر مبنی ہے اس لئے اس سے مربوط و منسلک خارجی اعمال اخلاق کا مظہر نہیں ہو سکتے اور نہ معیار اخلاق بن سکتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کو جو اخلاقی کردار مطلوب ہے وہ اس علم پر مبنی ہونا چاہئے جو خود اس کا عطا کردہ ہے اس نے اس اخلاقی کردار کی تعمیر و تشکیل

کیلئے صرف علم ہی عطا کرنے پر اکتفا نہیں کیا انسانیت کیلئے پورا نظام تعلیم بھی مہیا کیا ہے ۔ دنیا کا ہر نظام تعلیم کم سے کم سات عناصر ترکیبی پر مشتمل ہوتا ہے

۱ ۔ علم ۲ ۔ معلم ۳ ۔ کتاب ۴ ۔ قلم ۵ ۔ تعلیم ۶ ۔ طریقہ تعلیم ۷ ۔ مقصد تعلیم ۔

اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی تعلیم اور اس کے اخلاق کردار کی تشکیل کیلئے یہ تمام عناصر تعلیم خود فراہم کئے ہیں ۔ گویا جو انسان کا خالق ہے وہی اس کا اولین معلم بھی ہے ۔ تخلیق آدم کے بعد تعلیم آدم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا

و علم آدم الاسمآء کلھا (البقرہ ۔ ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے یہاں کام سکھانے کے مفہوم میں اشیاء کے آثار و خواص ، نافع اور مضر پہلو ، استعمال کے طریقے اور ان کے ساتھ انسان کے نطق کی نوعیت سب شامل ہیں اور لفظ کلھا سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ علم کامل تھا ، ادھورا نہیں ۔ انسان کو اس دنیا میں زندگی بسر کرنے اور اپنے مشن کو پورا کرنے کیلئے جتنے علم کی ضرورت تھی وہ العلیم نے اپنے لا محدود علم سے بقدر ضرورت پہنچا دیا ۔

حضرت آدم سے لے کر ختمی مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء کرام انسان کی ہدایت و رہنمائی کیلئے مبعوث کئے گئے وہ سب کے سب معلم ہی تھے ۔

ان معلمین انسانیت کو قلم سے آشنا کیا گیا ۔ کتاب ان پر نازل کی گئی ، وحی کے ذریعہ انہیں اضافی مقدار علم ہی نہیں پہنچائی گئی بلکہ طریقہ تعلیم بھی سکھایا گیا اور مقصد تعلیم سے بھی آگاہ کیا گیا سورہ علق میں ارشاد ہوا

اقراوربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (علق ۰ ۳-۵)

"پڑھو ! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا نہ تھا"

یہاں انسان کو پڑھانے ' اسے قلم کے ذریعہ تعلیم دینے اور وہ علم پہنچانے کا ذکر ہے جس سے وہ پہلے ناواقف تھا سورہ قلم میں فرمایا گیا

نٓ والقلم و ما یسطرون (القلم - ۱)

ن - قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں

یہاں قلم اور کتاب دونوں کا نہ صرف ذکر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان ذرائع علم کی قسم کھا کر ان کی عظمت اور ان کے تقدس کا بھی احساس بھی دلا رہا ہے - رب معلمین اور ان پر نازل ہونے والے سامان تعلیم کی تفصیلات دیکھئے - سورہ حدید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

لقد ارسلنا بالبینت وانزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید - ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا

اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسانی معاشرہ انصاف پر قائم ہو

یہاں معلمین یعنی رسولوں کے تفرر ' ان کے معجزات ' کتاب اور میزان یعنی معیار خیر و شر کا ذکر کیا گیا ہے اور ان سب کے نزول کا اصل مقصد بھی واضح کر دیا گیا جو انسانی معاشرے میں عدل کا مقام ہے نبی کیا کیا کام انجام دیتا ہے - اس کی تفصیل ملاخطہ کیجئے

کمآ ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرہ - ۱۵۱)

«ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے ۔ تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے ، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم جانتے نہ تھے» ۔

اس آیت میں معلم انسانیت یعنی رسول اور اس کے سامان علم کتاب ، حکمت اور جدید معلومات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے ۔ تزکیہ کے ایک لفظ سے اس ساری تعلیم کا اصل مقصد سیرت و کردار کی اعلیٰ ترین اخلاقی تربیت بتایا گیا ہے ۔ حکمت کتاب کے ساتھ نازل ہونے والی وہ بصیرت ہے جو تعلیم کتاب میں ایک نبی کی مدد کرتی ہے اور پھر وہ فہم کتاب کیلئے اسے اپنے زیر تربیت افراد کو منتقل کرتا ہے ۔ نبی کا طریقہ تعلیم و تربیت اسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے ۔ وہ محض کتابی علم کو کانوں میں انڈیل دینے سے نگاہوں کے سامنے سجا دینے یا لوح ذہن پر نقش کر دینے کا کام نہیں کرتا بلکہ بڑی حکمت و دانائی سے اسے اس طرح سیرت و کردار کا جوہر بناتا ہے کہ علم اور عمل مل کر ایک ناقابل تقسیم اکائی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ یہ انڈیلنےسے زیادہ گوندنے کا کام ہے جس طرح محض پانی انڈیل دینے سے آٹے میں لوچ اور خمیر پیدا نہیں ہوتا اور اسے مسلسل گوندھ کر روٹی پکانے کے قابل بنایا جاتا ہے اسی طرح تعلیم بھی علم کو آلات سماعت و بصارت کے ذریعہ منتقل کرنے کا نہیں بلکہ متعلم کے رگ و ریشے اور اس کی روح کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دینے کا نام ہے کہ علم اور کردار کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جا سکے ۔ خدا کا نبی حکمت کے ساتھ ذرائع تعلیم کو تشکیل سیرت کیلئے اسی طرح استعمال کرتا ہے اور نفس کا تزکیہ کرکے اسے بلند ترین اخلاقی سطح پر پہنچا دیتا ہے ۔

تعمیر سیرت و اخلاق کیلئے نبی جو طریقہ تعلیم اختیار کرتا ہے وہ وعظ و نصیحت اور زبانی جمع خرچ کی بجائے عملی نمونہ پیش کرنے کے اصول پر مبنی ہوتا ہے ۔ اس کی زندگی تناقص و تصادم سے بالکل پاک اور منزہ ہوتی ہے ۔

وہ اپنے بیان کردہ ہر اخلاقی اصول کو اپنی ذات اور اپنے معاشرے میں پوری طرح جلوہ گر ہوتے دکھاتا ہے ۔

مندرجہ بالا آیات اور ان کی تشریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کی اخلاقی تربیت اور اس کی تعلیم کا پورا نظام اپنے جمع عناصر ترکیبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔ انبیاء معلمین انسانیت ہیں اور ان پر نازل ہونے والی آیات کتاب ، میزان حکمت سب سامان تعلیم ہیں ۔

اس تعلیم کا مقصد تزکیہ نفس یعنی تربیت اخلاق ہے اور سورہ الحدید کی محولہ بالا آیت کے مطابق اخلاق بھی بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی قیام عدل کا ذریعہ اور اس کی لازمی شرط ہے ۔ اخلاق کے بغیر عدل ممکن نہیں اور عدل کے بغیر انسانی معاشرہ ظلم و فساد اور انتشار و افراتفری کے عذاب سے نجات نہیں پا سکتا ۔

اب سوال یہ ہے کہ ہر نبی نے تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس ہی کا کام انجام دیا ہے اور اخلاق کو سنوارا ہے مگر خلق عظیم کی سند صرف نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کیوں جاری کی گئی ہے ؟ اور مکارم اخلاق کی تکمیل سے کیا مراد ہے جس کیلئے انہیں معلم بنا کر بھیجا گیا ؟

قرآن نے رسولوں کے درمیان فرق قائم کرنے کی ممانعت کی ہے

لا نفرق بین احد من رسله (البقرہ - ۲۸۵)

ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے

پھر حضور اکرم کو خلق عظیم کی سند دے کر یہ فرق کیوں قائم کیا گیا ہے ۔ کیا نعوذ باللہ پچھلے انبیاء اخلاق کے معاملہ میں کامل نہ تھے ؟ قرآن تو ان سب کو کامیاب اور اخلاقی لحاظ سے اپنے اپنے دور کا بہترین انسان قرار دیتا ہے ۔ پھر اس فرق کی اصل حقیقت کیا ہے ؟

اس فرق کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے - ہمارا مروجہ نظام تعلیم پرائمری کی ابتدائی جماعتوں سے لے کر یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین سطح تک پھیلا ہوا ہے - اس کے مختلف درجات میں تعلیم دینے والے معلمین اپنی اپنی جگہ بہترین اخلاق و کردار کے مالک ہیں ، ان سب کی تعلیم اور ان کا طریقہ تعلیم بھی بنیادی طور پر یکساں ہیں - جو حقائق ابتدائی جماعتوں میں ذہن نشیں کرائے جاتے ہیں وہی اگلی جماعتوں میں بتدریج پھیلتے اور واضح ہوتے جاتے ہیں - نظام اخلاق جن عقائد و اقدار پر مشتمل ہوتا ہے انہی پر سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے - تعلیم کے کسی بھی مرحلے پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ معلم نے ضروری علم پہنچانے اور اخلاقی تربیت دینے میں کوئی کوتاہی کی ہے - ہم کسی بھی درجے کے معلم کو کمتر قرار نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ وہ سب تعلیم و تربیت ہی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں - تحقیق و تکمیل کے انہیں آخری مرحلے سے قبل کسی بھی درجے کی تعلیم کو مکمل نہیں کہہ سکتے جو متعلم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ اب وہ رسمی تعلیم سے فارغ ہو کر خود اپنے طور پر تحقیق اور تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھ سکے -

یہی صورت اللہ تعالیٰ کے نظام تعلیم و تربیت میں نظر آتی ہے - اس کے مقرر کردہ معلم اوّل حضرت آدم نے انسانیت کی تعلیم و تربیت اس کے عہد طفولیت میں کی - اسے زندگی کے بنیادی حقائق سے آگاہ کیا معروف و منکر سے متعارف کرایا ، مقصد زندگی سے آگاہ کیا ، اس وقت کی سادہ سی زندگی کیلئے ضروری علم اسے پہنچایا اور اس کی اخلاقی تربیت کی - لیکن نہ انسان کو اس عہد طفولیت تک محدود رہنا تھا اور نہ اس کے گردو پیش کی دنیا کو - نمو اور ارتقا کا سلسلہ جاری رہا - انسان اپنے علم و شعور اور خدا کی بخشی ہوئی دوسری قوتوں کے ذریعہ اپنی دنیا کی تعمیر نو کرتا گیا اور اس تجربے میں نت نئے مسائل سے دو چار بھی ہوتا رہا - اسے ارتقاء کے ہر مرحلے پر ہدایت و رہنمائی کیلئے معلم اور اضافی علم کی ضرورت پیش آتی رہی اور اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے مطابق تعلیم کے یہ ذرائع مہیا کرتا گیا - یوں انسانیت اپنی تعلیم و تربیت کے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی

پختگی شعور اور تکمیل تعلیم کی سطح تک پہنچی اور اعلان کر دیا گیا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔
(المائدہ - ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ۔

گویا سب دین اور نعمت علم کا آغاز حضرت آدم سے ہوا تھا وہ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ کی ذات گرامی پر اور آپ کی تعلیم و تربیت کے ذریعہ مکمل ہوا اور اسلام کا جو کامل و اکمل نقشہ زندگی حضور کے دور میں جلوہ گر ہوا اسے سند قبولیت عطا کر دی گئی اس تکمیل دین کا بھی اصل مقصود چونکہ تکمیل اخلاق تھا اور حضور اکرم کو اسی کیلئے مبعوث کیا گیا تھا اس لئے اپنی ذات میں اسے درجہ کمال تک پہنچانے کی بنا پر آپ کو یہ سند فضیلت بھی جاری کی گئی کہ

وانک لعلیٰ خلق عظیم (القلم - ۴)

اور بیشک اے محمد ! آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں

اور پھر آپ کو رحمۃ للعٰلمین قرار دے کر پوری انسانیت کیلئے اور قیامت تک آنے والے زمانے کیلئے ہادی اور رہنما بنا کر سلسلہ وحی منقطع اور مدرسہ نبوت بند کر دیا گیا اور ہمیشہ کیلئے طے کر دیا گیا کہ آپ جس کسی کو اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہونا ہے وہ اسی نمونہ کامل کی طرف دیکھے اور اس کی پیروی کرے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (اخراب - ۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے

وہ علم و اخلاق جو حضرت آدم کے کنبے سے شروع ہوا تھا ان کی نسل کو بھی تسلسل کے ساتھ ایک زمانے ایک مخصوص علاقے اور کبھی ایک مخصوص قوم کے محدود دائرے میں منتقل ہوتا اور پھیلتا اور آگے بڑھتا ہوا حضرت محمد کے عہد مسعود میں پوری انسانیت ، پورے کرہ ارض اور آنے والے ہر زمانے پر محیط ہو گیا ۔

اب نسل انسانی میں سے جو گروہ اس علم و اخلاق کی روشنی سے محروم رہ گیا ہے اس تک یہ روشنی پہنچانے کی ذمہ داری ہم مسلمانوں پر ڈالی گئی ہے ۔ جو کتاب ہدایت خدائے رسول کو یہ کہہ کر دی گئی تھی کہ

الراقف کتب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور د (ابراہیم - ۱)

ال ر ۔ اے محمد یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ ۔

اب یہی کتاب ہمارے ہاتھوں میں سونپی گئی ہے ۔ اس کے ذریعہ تاریکی کو دور کرنے اور روشنی پھیلانے کا کام صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم پہلے اپنی ذات کے اندر چھائے ہوئے اندھیروں کو دور کریں اپنے قلب و ذہن کو اس کتاب کی روشنی سے منور کریں اور معلم انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور اسوہ حسنہ کی پیروی کرکے خود کو مینارہ نور بنائیں ۔ روشنی ، روشنی سے پھیلے گی اندھیرے سے نہیں ۔ اب اگر ہم روشنی کا محض ذکر کرتے رہیں ، اس کی صفات بیان کرتے رہیں ، اسے خراج عقیدت پیش کرتے رہیں مگر ایک ٹرانسمیٹر کی طرح اس سے جڑ کر روشنی کی لہریں آگے بڑھانے کی ضرورت محسوس نہ کریں تو اس روشنی سے ہماری زبانی نسبت نہ ہمارے دل کی دنیا روشن کرئے گی نہ ہم دنیا کو رحمۃ اللعلمین کے خلق عظیم کا کوئی عملی پر تو دکھا سکیں گے ۔

دنیا میں کون ہے جو صداقت ، دیانت ، امانت ، عدل و انصاف ، رحمدلی ، احسان ، ایثار ، عفو و درگزر ، حلم و بردباری ، تواضع ، استغنا ، استقامت ، اعتدال و میانہ روی ، شرم و حیاء ، شجاعت و بہادری ، عہد کی پاسداری اور اسی طرح کے

دوسرے اوصاف حمیدہ کا قدر دان اور ان خوبیوں کے معروف ہونے کا معترف نہ ہو اور جھوٹ ، بدگوئی ، غیبت ، منافقت ، خیانت ، فریب دہی ، عہد شکنی ، ظلم ، حرص و طمع ، فحاشی ، ریا کاری ، بزدلی ، بخل اور دوسری برائیوں کو مذموم نہ سمجھتا ہو لیکن اصل مسئلہ معروف کو جز و زندگی بنانے اور منکر سے نجات پانے کی عملی آزمائش کا ہے ۔ اس کا بہترین نمونہ اسوہ حسنہ ہے اس نمونہ کامل کا پر تو صحابہ کرام کی زندگی تھی ، انہوں نے اس نمونہ کامل کو دنیا سے متعارف کرایا اور اس کے مدرسہ تربیت میں ڈھلنے والا اپنا نمونہ زندگی پیش کرکے اس خلق عظیم کی صداقت پر گواہی دی ۔ آج بھی یہ فریضہ اس اعلیٰ نمونہ اخلاق کا ادنیٰ سا نمونہ بنے اور اسی سرچشمہ علم سے جڑے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا ۔ اپنی ذات ، اپنے معاشرے اور پورے عالم انسانیت کو عدل پر قائم کرنے کیلئے سیرت و کردار کو اخلاق بندی کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا ۔ خلق عظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی وصف ضرور ہے لیکن یہ وصف انہیں پوری انسانیت کیلئے نمونہ بنانے کی غرض سے عطا کیا گیا تھا اور نمونہ ہمیشہ ایک سانچے کی طرح تعین معیار اور تشکیل مزید کیلئے بنایا جاتا ہے ۔ ہم نبی اکرم کا جشن ولادت منانے اور ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے خلق عظیم کو اسوہ حسنہ بنانے کی اس حکمت کا شعور و ادارک حاصل کر لیں تو تاریکی میں آج بھی اجالا پھیل سکتا ہے اور اقبال کی زبان میں ہم خدا کی عاید کردہ شرط وفا پوری کر دیں تو مالک لوح و قلم بن کر اپنی اور پوری دنیا کی تقدیر بدل سکتے ہیں

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ وفا اخلاق میں ، کردار میں ، مقصد زندگی میں غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو اور گوشے میں مطلوب ہے ۔ نمونہ کامل کا کامل اتباع ہی ہمیں برتو خلق عظیم بنا سکتا ہے خدا ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ۔

سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون ﴿﴾ وسلٰم علی المرسلین ﴿﴾ والحمد للہ رب العٰلمین ﴿﴾

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

مفتی وقار الدین*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ احسان عظیم فرمایا ہے کہ اُن میں اپنا رسول بھیجا ۔آیہ کریمہ سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات اور لا تعداد انعامات میں سے بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اُس کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت میں تاکیدی الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کے حق میں احسان ہونے کی مختلف جہات ہو سکتی ہیں ۔ اس وقت اس مختصر مقالے میں صرف ایک جہت سے تذکرہ کرنا مقصود ہے اور وہ جہت (اخوت بین المسلمین ہے) ۔

اس کو سمجھنے کیلئے ہم اس دنیا میں مخلوق و موجود حیوانات کی عادات و خصوصیات و حوائج پر غور کرتے ہیں تو یہ بات بالکل ظاہر نظر آتی ہے کہ ان میں انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو اپنی زندگی گزارنے کیلئے اپنے ہم جنسوں کی طرف ایسی احتیاج ہے کہ کوئی فرد انسانی تنہا زندگی گذارنے کا تصور

---

*رکن ، مرکزی رویت ہلال کمیٹی ۔

ہی نہیں کر سکتا ہے - اسے اپنی حیات باقی رکھنے کیلئے بے شمار اشیاء کی حاجت ہے اُن تمام اشیاء کو کوئی شخص تنہا جمع نہیں کر سکتا ہے کھانے پینے لباس و رہائش وغیرہ کے ضروریات زندگی کتنے مراحل سے گذر کر انسانی استعمال کے لائق ہوتے ہیں ان تمام مراحل کو تنہا کسی انسان کا طے کر لینا ناممکن و محال ہے اس لئے افراد انسانی نے مختلف مشاغل کو اختیار کر لیا کوئی کاشت کرتا ہے تو اس کی کاشت کاری کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کتنے فریق مختلف پیشے اختیار کرکے اُس کی مدد کرتے ہیں پھر پیداوار کتنے مرحلوں سے گذر کر انسانی غذا کے قابل ہوتی ہے اسی طرح لباس کی تیاری کیلئے روئی کی کاشت یا خام اُون سے کپڑا تیار ہو کر کتنے لوگوں کے تعاون سے پہننے کے لائق ہوتا ہے - اسی طرح تمام ضروریات انسانی میں مختلف لوگوں کا تعاون ضروری ہے ان تمام کاموں کو کوئی شخص تنہا نہیں کر سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ انسان مل جل کر ہی اپنی زندگی گذار سکتا ہے اور حیات باقی رکھ سکتا ہے - لیکن انسان کے علاوہ تمام حیوانات بقاء نسل کے علاوہ اپنی نوع کے افراد کے محتاج نہیں ہیں - دوسری انواع کی طرف تو احتیاج کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے - اُنہیں لباس کی حاجت نہیں رہائش کیلئے مکان کی ضرورت نہیں اپنا گھونسلا خود تیار کر لیتے ہیں اُس کا میٹریل قدرت نے ہر جگہ فراہم کر دیا ہے ہر حیوان کی خوراک قدرت نے اُس کی ضرورت کے لائق ہر جگہ فراہم فرما دی ہے - یہ حیوانات کا مختصر حال ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ انسان جو مدنیت اور مل جل کر زندگی گذارنے کا سب سے زیادہ محتاج ہے اُس میں اختلاف کی وجوہ بھی بکثرت ہیں - اُس کی زبان میں یکسانیت نہیں ایک ہی ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں - تمام دنیا کے ممالک میں سینکڑوں زبانیں مستعمل ہیں - غذا ہر ملک کی علیحدہ لباس علیحدہ بود و باش کے طریقے علیحدہ رنگ و نسل علیحدہ ان میں انسانیت کے علاوہ اور کوئی ایسی مشترک بات نہیں ہے جو تمام ممالک کے باشندوں میں مشترک ہو - انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات جو تعاون کے محتاج نہ تھے اُن میں سے اس درجہ یکسانیت و اتحاد ہے کہ تمام دنیا کے ممالک کے جانور بولی ایک طرح کی بولتے ہیں غذا ایک ہی قسم کی کھاتے ہیں رہائش و بود و باش قریب قریب یکساں ہیں -

صرف موسمی اختلافات کی وجہ سے رنگ و جسمیت میں کچھ معمولی فرق ہوتا ہے ۔ یہ بات نہیں ہے کہ انگلینڈ کے جانور انگلش میں بات کرتے ہوں اور چائنہ و جاپان کے جانور وہاں کی زبان میں بلکہ ہر جگہ کا جانور یکساں بولی بولتا ہے اور عادات وخصائل میں ایک ہی جیسا ہے تو انسان کو اتنے اختلافات کے بعد کسی ایسی جہت و وحدت کی ضرورت تھی جو تمام اختلافات رنگ و نسل وغیرہ کو مٹا کر کل انسانوں کو ایک ایسی قوم بلکہ ایک ایسا جسم بنا دے کہ اس میں ایک ایسے عضوء کی تکلیف پورے جسم کو محسوس ہونے لگے اور تمام انسانوں کو ایسا مضبوط قلعہ بنا دے کہ جس کی عمارت کی ہر اینٹ دوسری انیٹ کے ساتھ مل کر اس کو (بنیان مرصوص) کر دے ۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر آن کی زبان مبارک سے (انما المومنون اخوة) کا پیغام پنہچا کر یہ اعلان فرما دیا کہ بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ مژدۂ جانفزا سناتی ہے کہ یہ نبی وہ دین لے کر آئے ہیں کہ جس نے انسانوں کے تمام اختلافات کو مٹا کر ایسی ملت واحدہ بنا دیا کہ اس میں ہر فرد ملت انسانی اعضاء کی طرح ہے کہ کسی ایک فرد کی تکلیف پوری ملت کو محسوس ہو تو انسانی اہم ترین ضرورت کو پورا کرنے کیلئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیج دینا اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان عظیم ہے ۔ اور اس نے ارشاد فرمایا اذ کنتم اعداء خالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا و کنتم علی شفا حفرة من النار فا نقذ کم منها جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا ۔

لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کے نزول اور دین کی تکمیل کے بعد اب مسلمان متحد کیوں نہیں ہیں اور ان میں اختلافات کیوں ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اتحاد اور یکسانیت کا سبب تو وہ دین تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور اس دین پر عمل ہی ذریعۂ اتحاد اور سبب وحدت تھا مسلمان جب اس دین پر عمل کرنے سے ہٹ گئے تو وہ رشتۂ الفت کمزور ہوتا چلا گیا اور مذہب سے دوری نے اس وحدت

کو پاش پاش کر دیا جس کے لئے بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی تھی - اگر خوف دشمن یا دنیاوی مفاد اور ذاتی اغراض و مقاصد کی وجہ سے آپس میں اتحاد ہوتا ہے تو وہ اُس وقت تک رہتا ہے جب تک وجہ اتحاد رہتی ہے لیکن اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کیوجہ سے جو اتحاد اور وحدت ہوتی ہے وہ ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے - لہذا تمام دنیائے اسلام کو ضرورت اس بات کی ہے کہ اس رشتہ الفت کو مضبوط تر کریں جس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو ملت واحدہ بنایا تھا اور اُس کی صورت یہ ہے کہ تمام ممالک میں احکام خدا وندی قرآن و حدیث پر عمل کی کوشش کی جائے اور مسلمانوں میں دین داری کا وہ جذبہ اُبھارا جائے جس سے اُس کے اثرات ظاہر ہوں اور بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصد پھر نظر آنے لگے جو قرون اولیٰ میں تھا اور مسلمانوں کی الفت و محبت کسی غرض کیلئے نہ ہو بلکہ صرف رضائے الٰہی اور دین کی خاطر ہو جب تک ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے للہ محبت کرتا ہے تو وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے - مسلم شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے دینی بھائی کی زیارت کیلئے اُس کے گاؤں میں جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے راستے پر ایک فرشتے کو کھڑا کر دیا اُس فرشتے نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو اُس نے جواب دیا کہ اُس گاؤں میں میرا ایک دینی بھائی رہتا ہے اُس سے ملاقات کیلئے جا رہا ہوں فرشتے نے کہا کہ تیرا کوئی حق اُس پر چاہیے ہے اُس کو وصول کرنے کے لئے جا رہا ہے اُس نے کہا میرے جانے کی کوئی غرض نہیں ہے بجز اُس کے کہ میں اُس سے اللہ کے واسطے محبت کرتا ہوں تو فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے تجھے یہ بات بتانے کیلئے بھیجا گیا ہوں کہ جس طرح اُس مسلمان کو بغیر کسی دنیاوی غرض اور مفاد کے اللہ واسطے میں محبت رکھتا ہے اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت فرماتا ہے اور بیہقی نے ایک روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ایمان کے تعلقات میں سے کون سا تعلق سب سے زیادہ مضبوط ہے انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے

لئے دو مسلمانوں میں معاونت اور محبت سب سے زیادہ مضبوط تعلق ہے ۔ لہذا مسلمانوں کو اپنے تعلقات اور محبت صرف رضائے الٰہی کی خاطر رکھنا ہی اُس مقصد کو پورا کر سکتا ہے جو بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جس کا احسان اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں بیان فرمایا اور اس وقت دنیائے اسلام کو جس کی سخت ضرورت ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قلوب میں الفت و محبت کا وہ جذبہ پیدا فرما دے جو اُس کی رضا کے لئے ہو تاکہ اُنہیں وہ عزت کا مقام حاصل ہو جائے جو ہمارے اسلاف نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان برداری سے حاصل کیا تھا ۔

(آمین)

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

صاحبزادہ سید محمد نصیر علی نصیر*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی سید الانبیاء المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین

اخلاق ایسی جامع صفت ہے ۔ جو پوری انسانی زندگی پر حاوی ہے اخلاق ، انسان کے قول فعل عمل نیت ارادے گفتار کردار سلوک برتاؤ عادات اطوار خلوت جلوت میں عمدگی اور حسن پیدا کرتا ہے ۔ اخلاق کا دائرہ دوست دشمن اپنے بیگانے بڑے چھوٹے ہمسایے ساتھی افسر ، ماتحت حاکم محکوم والدین اولاد رشتے دار غریب امیر تک وسیع ہے ۔ گود سے گور تک بچپن سے بڑھاپے تک انسان کو اخلاق کی اشد ضرورت ہے ۔ انسان کی اسی ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم رؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کو محسن انسانیت اور معلم اخلاق بنا کر مبعوث فرمایا ۔ اور آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ۔

وانک لعلیٰ خلق عظیم یا رسول اللہ ۔ بے شک آپ اخلاق کے بڑے درجے پر فائز ہیں ۔

حضور سرکار دو عالم فخر آدم و بنی آدم سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات کے متعلق جب ایک بد طینت کافر ہرزہ سرائی کرتے ہوئے آپ کی

---

*رکن مرکزی رویت ہلال کمیٹی و خطیب مرکزی جامع مسجد راولپنڈی ۔

شان میں گستاخی کرتا ہے ۔ کہ حضور معاذ اللہ مجنون ہیں ۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ آپ کو صاحب خلق عظیم کے خطاب سے نوازتا ہے ۔

کسی فن ، ہنر یا علم کا سکھانا اسی وقت ممکن ہوتا ہے ۔ جبکہ استاد خود ماہر فن و ہنر اور علم کا بہت بڑا عالم ہو ۔ لہذا حضور سے زیادہ کون حقدار تھا ۔ کہ وہ معلم اخلاق کے منصب عالی پر فائز ہوتا ۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ۔ انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق ۔ میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں ۔ کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی حضور کے متعلق یوں اطلاع دیتے ہیں ۔ رایتہ یا مر بمکارم الاخلاق ۔ میں نے انہیں دیکھا ۔ کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں ۔

حضور کے علاوہ کوئی ہستی یا ذات ایسی نظر نہیں آتی ۔ جسے یہ عظیم ذمہ داری سونپی جاتی ۔ آپ کی حیات طیبہ اخلاق کا بہترین نمونہ تھی ۔ آپ پیکر اخلاق حسنہ تھے ۔ حضور کے اخلاق کے متعلق ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا ۔ تو انہوں نے یوں فرمایا ۔ کان خلقہ القرآن ۔ حضور کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا ۔ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ایک ایک حصہ اور واقعہ قرآن پاک کی عملی تفسیر و تشریح ہے ۔ آپ کی پیاری زندگی کا ایک ایک جزو محفوظ ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت آپ کی شیر خوارگی آپ کا بچپن آپ کی جوانی آپ کے سفر آپ کا قیام آپ کے معاملات آپ کا ذریعہ معاش آپ کی ازدواجی زندگی آپ کا اعلان نبوت اور اسکی تبلیغ ۔ آپ کی ہجرت آپ کا جہاد آپ کے فیصلے ۔ آپ کی خانگی و معاشرتی زندگی غرضیکہ آپ کے وصال پاک تک ایک ایک واقعہ تاریخ و سیرت کے صفحات پر انمٹ نقوش کی طرح ثبت ہے ۔

انسان دنیا کے سامنے تصنع دکھاوے بناوٹ اور ریا کاری سے کام لیتا ہے ۔ مگر گھر میں تمام ملمع اتر جاتا ہے ۔ حضور سید عرب و عجم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کی رفیقہ حیات ام المومنین خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں ۔ خدا کی قسم ۔ خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا ۔ آپ صلۂ رحم کرتے ہیں ۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں ۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں ۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں ۔ کہ حضور کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی ۔ برائی کے بدلےمیں برائی نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ درگذر فرماتے تھے ۔ اور معاف کر دیتے تھے ۔ آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا ۔ تو ان میں جو آسان ہوتی اسے اختیار فرماتے ۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا ۔ ورنہ آپ اس سے بہت دور ہو جاتے ۔ آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا ۔ آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی ۔ حضور نے کبھی کسی غلام ' لونڈی ' عورت ' خادم حتیٰ کہ جانور کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا آپ نے کبھی کسی کی درخواست کو رد نہیں فرمایا ۔ سوائے اس کے کہ وہ ناجائز ہو ۔ آپ کی زبان اقدس سے کبھی کسی نے «لا» یعنی نہ کا لفظ نہیں سنا ۔ حضور جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو ہنستے مسکراتے ہوئے تشریف لاتے ۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے ۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے ۔ کہ کوئی یاد رکھنا چاہے ۔ تو یاد رکھ لے حضور نبی پاک صاحب لولاک اپنے قول و عمل اور گفتار و کردار سے اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے ۔ آپ کے بدترین دشمن اور خون کے پیاسے قریش مکہ بھی آپ کو صادق و امین کے نام سے یاد کرتے تھے ۔ کفار مکہ نے حضور کو معاذ اللہ ساحر و شاعر ' کاہن و مجنون تو کہا ۔ مگر وہ حضور کے حسن اخلاق پر اعتراض نہ کر سکے ۔ حضور نے قرآن پاک کے ذریعے سے یہ تعلیم دی

لم تقولون مالا تفعلون　　　وہ کیوں کہتے ہو ۔ جو تم کرتے نہیں ۔

اور لوگوں نے باتیں تو بہت اچھی کی ہوں گی ۔ مگر عمل صرف حضور نے کرکے دکھایا ۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم کی حیات طیبہ کو جس پہلو سے بھی دیکھیں وہ اخلاق حسنہ کی بہترین تصویر نظر آتی ہے ۔ حسن خلق ہو یا حسن معاملہ ۔ عدل و انصاف ہو یا جودو ۔ ایثار و مہمان نوازی ہو ۔ یا سادگی و مساوات ۔

شرم و حیا ہو یا عزم و استقلال ۔ شجاعت و بہادری ہو یا ایفائے عہد و راست گفتاری ۔ زہد و قناعت ہو یا صبر و تحمل ۔ عفو و درگزر ہو یا رحمت و شفقت ۔ حسن سلوک ہو یا قول و عمل کی مطابقت ۔ حضور ہر میدان میں صف اول میں نظر آتے ہیں اسلام کی بنیاد اعتقادات و عبادات ہیں ۔ مگر اس کی عمارت ۔ معاملات و اخلاقیات ہیں ۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ۔

لیس البر ان تولو وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر (الی قولہ) ھم المتقون

نیکی یہی نہیں ۔ کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرو ۔ بلکہ اصل نیکی اس کی ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ پر قیامت پر فرشتوں پر ۔ کتاب پر اور انبیاء کرام پر ایمان لایا ۔ اور مال کی محبت کے باوجود اپنا مال رشتے داروں ، یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں ، مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں دیا ۔ اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوۃ دیتا رہا ۔ اور جو وعدہ کرکے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں ۔ اور جو مصیبت تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں ۔ یہی ہیں جو راستباز ہیں ۔ اور یہی تقویٰ والے ہیں ۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا مانگتے تھے ۔ اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا ۔ اے میرے اللہ ۔ تو مجھے بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی فرما ۔ اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے ۔

حضور نے ارشاد فرمایا :

اکمل المومنین احسنھم خلقا

مسلمانوں میں کامل ترین ایمان وہ ہے۔ جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو ۔

نماز و روزے کی اہمیت کے باوجود اخلاق حسنہ کی فضیلت یوں بیان فرمائی ۔

ان الرجل سیدرک بحسن خلقہ درجۃ قائم اللیل و صائم النھار

انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے ۔

پھر فرمایا :-

قیامت کے دن میزان میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی کہ حسن اخلاق والا اپنے حسن خلق سے ہمیشہ روزے رکھنے والے اور نمازی کا درجہ حاصل کر سکتا ہے -

پھر ارشاد فرمایا :

خیار کم احسنکم اخلاقا - تم میں سب سے اچھا وہ ہے - جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو -

اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کا ذکر یوں فرمایا -

احب عباد اللہ الی اللہ احسنہم اخلاقا — اللہ کے بندوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے پیارا وہ ہے - جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں -

اپنی پسندیدگی اور اپنے قرب کے متعلق یوں ارشاد فرمایا -

تم میں سے میرے سب سے پیارے اور نشست میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں - جو تم میں حسن اخلاق والے ہیں - اور مجھے ناپسند اور قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ ہوں گے - جو تم میں بد اخلاق ہیں -

اتنی عمدہ اور قابل تعریف تعلیمات صرف انہی کی ہو سکتی ہیں - جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے - وہی دنیا میں معلم اخلاق اور قافلہ سالار کارواں انسانیت ہیں - اور آخرت میں صاحب شفاعت کبریٰ اور صاحب مقام محمود ہیں - اللہ کریم ہمیں حضور کی غلامی و پیروی کی توفیق عطا فرما کر دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے - آمین

یارب العالمین

معلم اعظمؐ

مولنا صدرالدین رفاعی*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم اے نبی بے شک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما بعثت معلماً (الحدیث) میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ اور فرمایا بعثت لا تمم مکارم الاخلاق «میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں» ۔ آپؐ کا ہی ایک ارشاد ہے تخلقوا باخلاق اللہ و رسولہ «اللہ اور اس کے رسول کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو» ۔ اس آیت کریمہ اور ان دونوں احادیث نبوی کی روشنی میں آپ سب سے اعلیٰ اخلاق حسنہ کے حاسل اور سب سے بڑے معلم اخلاق تھے اور یہ کہ آپ کے اخلاق عالیہ کا مصدر صفات الٰہی ہیں اور ساری امت کے لئے مظہر اخلاق آپ کی ذات قدسی اور آپ کی صفات عالیہ ہیں ۔

صفات الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ک تخلق قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان کیا گیا ہے ۔ لیکن میں مثال کے طور پر چند آیات پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا ۔ سورۃ الجمعہ کی پہلی دو آیات میں ارشاد ربانی ہے

یسبح للہ ما فی السموات و ما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم○ ھو الذی آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ ، پاک ،

*ممبر عالم دین ، خطیب جامع مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن ، راولپنڈی ۔

بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

غالب ، حکیم ہے - وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اُس کی آیات سناتا ہے - اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے -

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات پر اپنی فرمانروائی کا ذکر کرتے ہوئے اپنا ایک اسم ذات اللہ اور اُس کے بعد اپنے چار صفاتی نام الملک (بادشاہ) القدوس (پاک) العزیز (غالب) اور الحکیم (حکمت والا) بیان فرمائے ہیں اور دوسری آیت میں اپنے رسول مکرم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اِسم رسول بتا کر اُس کے بعد آپ کے چار فرائض کے ضمن میں آپ کی چار صفات بیان فرمائی ہیں -

صفات الٰہی اور صفات رسالت پناہی کی مناسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے اِسم ذات اللہ کی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کہا ہے - جیسے ہم کلمہ طیبہ میں اللہ کے ساتھ حضور کو رسول اللہ کہتے ہیں - اِسم ذات اللہ سے چونکہ تخلق ممکن نہیں کیونکہ اُلوھیت کی صفت کسی مخلوق کے اندر کسی صورت میں بھی نہیں آ سکتی - اِس لئے اس کے ساتھ تمام انسانوں کا صرف تعلق ہی ہو سکتا ہے جو عبدیت کا تعلق ہے اور انبیاء کا تعلق رسالت کا بھی ہے جیسا کہ کلمہ شہادت میں ہم کہتے ہیں واشھدان محمد اعبدہ ورسولہ - اللہ کے اِسم الملک یعنی بادشاہ کی نسبت سے آپ اُس کی آیات اور اُس کے احکام سنانے والے ہیں- القدوس (پاک) کی نسبت سے آپ بندوں کا تزکیہ کرکے پاک بادشاہ کے پاک احکام کی اطاعت کے قابل بنانے والے ہیں - اور اللہ کے نام العزیز (غالب) کی نسبت سے اللہ کی کتاب قرآن کریم کی تعلیم دینے والے ہیں جو اہل ایمان کو غلبہ دلانے والی ہے مطابق حدیث اِن اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع بہ اخرین اللہ اس کتاب کے ساتھ

بہت سی قوموں کو بلند اور غالب اور بہت سی قوموں کو پست اور مغلوب کرے گا ۔
اور اللہ کے اِسم الحکیم کی نسبت سے آپ معلم حکمت ہیں اور درس حکمت دے کر امت کو اس امر کی تربیت دینے والے ہیں کہ وہ تاقیامت زندگی کے آنے والے ہر دور کے احوال و ظروف میں احکام الٰہی نافذ کر سکیں ۔

سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ۔

الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضالاً فھدی ووجدک عائلا فاغنی فاما الیتیم فلاتقہر واماالسائل فلا تنہر وامابنعمۃ ربک فحدث (الضحیٰ)

کیا اُس نے تم کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا فراہم کیا ۔ اور تم کو ناواقف راہ پایا یا پھر ہدایت بخشی ، اور تم کو نادار پایا پھر غنی کر دیا ۔ لہذا یتیم پر سختی نہ کرنا ، اور سائل کو نہ جھڑکنا ، اور اپنے رب کی نعمت قرآن کو حدیثوں کے ذریعے بیان کرنا ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اپنے تین انعامات کا ذکر فرما کر آپ پر تین ذمہ داریاں عائد فرمائیں ۔ یتیمی کی حالت میں ٹھکانا عطا فرمانے کی یہ صورت عائد فرمائی کہ آپ یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کریں ۔ ناداری میں غنی کرنے کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ بتایا کہ آپ سائلوں اور ناداروں سے نیک سلوک فرمائیں ۔ اور ناواقف راہ ہونے کی حالت میں کتاب ہدایت عطا فرما کر سیدھا راستہ بتانے کا شکر ادا کرنے کی صورت یہ بتائی کہ آپ قرآن کریم کو اپنی احادیث کے ذریعے دنیا پر واضح فرمائیں ۔

ان آیات کریمہ کی روشنی میں صفات خدا وندی اور صفات نبوی کی باہمی مناسبت سے بخوبی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفات خدا وندی سے تخلق کر کے کس طرح خلق عظیم کے مرتبۂ علیا پر فائز ہوئے ۔ اور آپ نے کس طرح اپنی سیرت اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے اپنی امت کو اخلاق حسنہ

کی تعلیم و تربیت دینے کا اہتمام فرمایا ۔ جس کی بدولت آپ کے اصحاب کرام بھی امت کے لئے نمونہ بن گئے ۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ۔ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی ۔ تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے ۔

خاص نکتہ : یہاں یہ خاص نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے ساتھ عبدیت اور رسالت کے تعلق سے الوھیت حاصل نہیں ہو سکتی ٹھیک اسی طرح کی اطاعت اور اتباع سے کسی شخص کو رسالت اور نبوت نہیں مل سکتی ۔ جیسا کہ سورۃ الجمعہ کی تیسری آیت اور بہت سی دوسری آیات قرآنیہ میں صراحت آ چکی ہے کہ نبوت و رسالت اللہ کا بڑا فضل اور موہبت عظمیٰ ہے اس نے جسے چاہا عطا فرمایا ۔ کوئی کسی کوشش یا اکتساب سے اسے حاصل نہیں کر سکا کیونکہ یہ سرے سے اکتسابی چیز ہے ہی نہیں ۔

خلق کی تعریف خلق چونکہ پختہ ملکہ کی نوعیت کی ایک مخفی حقیقت ہے اور کسی کے وقتی جذبات و احسانات چاہے کتنی ہی اخلاقیت لئے ہوئے نظر آئیں انہیں اخلاق نہیں کہا جا سکتا ۔ اس نکتے کو ذہن نشین کرنے کے لئے خلق کی تعریف جاننا ضروری ہے ۔ علم الاخلاق کے نامور عالم حضرت امام غزالی رحمة اللہ علیہ لکھتے ہیں ۔

> خلق نفس انسانی کی اس کیفیت اور حقیقت راسخہ کا نام ہے جس کی بدولت کسی خاص فکر و توجہ کے بغیر سہولت اور آسانی کے ساتھ افعال صادر ہوتے ہیں ۔

خلق کی دو قسمیں : خلق کی دو قسمیں ہیں ۔ ھئیت راسخہ سے اچھے افعال صادر ہوں تو اسے خلق حسن (اچھا خلق) کہا جاتا ہے اور برے افعال صادر ہوں تو اسے خلق سیئی (برا خلق) کہتے ہیں ۔

خلق کا ظہور افعال میں ہوتا ہے خلق چونکہ ہئیت راسخہ کا نام ہے جس سے انسان میں ضبط و اقدام کی استعداد پیدا ہوتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے افعال ہی کو دیکھ کر اُس کے بارے میں اچھے یا برے خلق کی رائے قائم کی جا سکتی ہے - جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے - لیس الایمان بالتمنی ولا بالتحلی ولکن ھوما وقر فی القلب و صدقہ العمل - ایمان محض تمنا اور ظاہری آرائش کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان اُس یقین کا نام ہے جو دل میں جگہ پکڑے اور عمل اُس کی تصدیق کرے -»

اچھے برے افعال کا معیار: افعال کی اچھائی اور برائی کا معیار صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہیں جو ان کو اللہ کی وحی سے علم الیقین کی صورت میں ملی ہیں - اور یہ واقعہ ہے کہ اس وقت علم الیقین پر مبنی اور محفوظ دین اور کامل ضابطۂ اخلاق و احکام ساری دنیا میں صرف اسلام ہی ہے -

عقل کی ناتمامی: وحی کی روشنی کے بغیر محض عقل سے سوچ کر طے کی ہوئی باتیں بے سند اور ناقابل اعتبار ہیں - عقل نے تو اباحیت اور افادیت کے باطل نظریات بھی گھڑے ہیں - عقل تو نفس کے میال و عواطف سے دب کر غلط در غلط باتوں کی تائید میں بھی بے سروپا دلیلوں کے ڈھیر لگا دیتی ہے - اس لئے علامہ اقبال نے فرمایا ؎

روز ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

نمائش اخلاق: بعض لوگ صنعت و تجارت کی کامیابی یا کسی اور مادی مفاد کے لئے اصول پسندی اور پاس عہد کا ثبوت دیتے ہیں اور بعض خفیف العقل اور سبک سر لوگ اُن کو با اخلاق سمجھنے لگتے ہیں لیکن جب سیاسی محاذ پر وہ کمزور قوموں کو دھوکا دے کر عیاری سے استحصال کرتے اور ان کے حقوق اور جائز مفادات کو پامال کر دیتے ہیں تو اُن کے نمائشی اخلاق کا پول کھل جاتا ہے - ایسے لوگوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے - من تخلق

بغیر مافیه فضحه الله عزوجل یعنی جو کوئی اپنے اندر ایسی صفت خلق ظاہر کرتا ہے جو فی الواقع اس کے اندر موجود نہیں ہے تو اللہ اس کو رسوا کرکے چھوڑتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول ہے کہ اے اللہ مجھے اس امت کے منافقوں سے بچا ' پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا جو باتیں تو حکمت و اخلاق کی کرتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے ۔ ایسے لوگوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔المتشبع بما لیس عنده کلابس ثوبی زور ایسے اخلاق کا اظہار کرنے والا جو اس میں واقعہ موجود نہ ہوں بہروپئے کی طرح فریب کے دو کپڑے پہنے والے کی مانند ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم: دو چیزیں انسان کو اس کے موقف سے متزلزل کرکے ہٹا دیتی ہیں ایک خوف دوسرے طمع لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بڑی تخویف اور کوئی بڑی ترغیب و تحریص صراط مستقیم اور اقامت دین قدیم کے نصب العین سے ایک سرمو بھی نہیں ہٹا سکی۔آپ نے اپنا وطن اور اس کی آسائشیں ' زاد وبوم اور اس کی محبت ' اپنے اعزۂ و اقربا سب کچھ چھوڑا لیکن اپنے موقف حق پر بدستور قائم رہے آپ کو مال و منال حسن و جمال ' جاہ و اقتدار کا انتہائی لالچ دینے کی کوششیں کی گیئں لیکن ان تمام چیزوں کو آپ نے گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھا اور پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا ۔ اور صاف فرما دیا کہ تم میرے دائیں ہاتھ پہ سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند لا کر رکھ دو تو بھی میں اللہ کے کام سے نہیں ہٹوں گا ۔ یا اللہ کے قانون کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا یا اس جد و جہد کے راستے میں اپنی جان دے دوں گا ۔

دلت از طلب نہ دارم تا کام من برآید
یا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن برآید

آج دنیا اقلیت و اکثریت کی بحثیں لئے بیٹھی ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کفر و باطل کے مقابل میں تن تنہا کھڑے ہوئے اور جانگسل مصائب و آفات سے گذر کر آخرکار دین حق کو غالب و نافذ کرنے میں کامیاب و کامران ہو کر رہے ۔

دعوت و تبلیغ کا ضابطۂ اخلاق: دعوت و تبلیغ کا ضابطۂ اخلاق بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

آدع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (النحل : ۱۶۷)	اے نبی ' لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور اُن کے ساتھ بہترین طریقے سے بحث کرو ۔

نبی امی نے خداوند حکیم کے اس حکم پر کس حکیمانہ طریقہ سے عمل کیا اس کی بھی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں ۔ ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض کرتا ہے کہ میں اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں ۔ اسلام کے سب احکام پر عمل کروں گا لیکن زنا کی اجازت چاہتا ہوں اس عادت کو چھوڑ نہیں سکتا ۔ صحابہ کو غصہ آتا ہے کہ پاس ادب سے خاموش رہتے ہیں ۔ نبی رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حلم اور نرم مزاجی سے اس کی بات سنی اور فرمایا اگر تمہاری بہن بیٹی سے کوئی شخص برا فعل کرے تو تم گوارا کر لو گے؟ اس نے کہا نہیں میں تو اُسے جان سے مار ڈالوں گا ۔ آپ نے فرمایا تم جس کی بہن بیٹی سے برا فعل کروگے وہ بھی ایسا ہی اثر ے گا اور تمہارے خلاف ایسا ہی قدم اٹھائے گا ۔ تم جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو ؟ وہ شخص یہ حکیمانہ ارشاد سن کر اپنی غلطی کو سمجھ گیا ۔ آپ نے اس کی عقل کو قائل کرتے ہی اس کے دل کو مائل کرنے کی طرف توجہ فرمائی اور اس کے لئے رب غفور و رحیم کی بارگاہ میں دعا مانگنی شروع کر دی ۔ اللّٰھم اغفر ذنبہ اللّٰھم طہر قلبہ اللّٰھم حصن فرجہ ' اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما دے ۔ اے اللہ اس کے دل کو پاک کر دے ۔ اے اللہ اس کو بدکاری سے بچا ے ۔ ابھی دعا جاری تھی کہ اس نے جھرجھری لی اور عرض کیا ۔ یارسول اللہ ' میرے دل سے بُری خواہش نکل گئی ۔ میں آپ پر ایمان لایا ۔ میں دل و جان سے اسلام کے سارے احکام پر عمل کروں گا ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ شخص بڑا ہی مخلص مسلمان بنا اور اُس نے ساری عمر برائی کا رخ نہیں کیا ۔

قیام عدل کا نصب العین: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسولوں کے بھیجنے ' ان پر کتابیں نازل کرنے اور میزان اتارنے کا مقصد قیام عدل بتایا ہے تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور امن و سلامتی کی زندگی حاصل کر سکیں ۔

قیام عدل کے لئے آنحضرت کا ضابطۂ اخلاق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام عدل کے لئے جو ضابطۂ عدل اور اسوۂ حسنہ پیش کیا یہاں اس کی ایک جھلک پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ قریش کے ایک معزز قبیلہ بنو مخذوم کی ایک عورت فاطمہ نے چوری کی ۔ آپ نے اس کے حق میں اپنے پیارے صحابی اسامہ بن زید کی سفارش نہیں مانی اور ارشاد فرمایا ۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا ۔ گذشتہ قومیں اسی لئے تباہ ہو گئیں کہ وہ غریب مجرم کو سزا دے دیتی تھیں لیکن بااثر دولت مند مجرم کو چھوڑ دیتی تھیں ۔

عدلیہ کے لئے ضابطۂ اخلاق (۱) فرمان الٰہی ہے جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں ' فاسق ہیں (قرآن) کافر ہیں (قرآن) (۲) تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلاً ۔ تیرے رب کی بات صدق اور عدل سے پوری ہوتی ہے (قرآن) یعنی قیام عدل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ گواہ صدق اور سچائی سے گواہی دے اور حاکم عدل و انصاف سے فیصلہ کرے ۔ ان دونوں میں سے ایک میں بھی فرق آیا تو انصاف نہیں ہو سکے گا ۔ (۳) شاہد اور حاکم دونوں کو کسی کی دوستی ' دشمنی اور نفع نقصان حتیٰ کہ اپنے اور اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے نفع نقصان سے بالاتر ہو کر گواہی دینا اور فیصلہ کرنا چاہئے ۔

حکومت برائے خدمت خلق: اسلامی حکومت حکمرانوں کے مفاد کے لئے نہیں خدمت خلق کے لئے ہے ۔ فرمان نبوی ہے سید القوم خادمھم قوم کا سردار اس کا خادم ہے ۔ انجیل میں آج بھی یہ الفاظ موجود ہیں —« غیر قوموں کے بادشاہ ان پر حکومت چلاتے ہیں مگر تم ایسے نہ ہونا بلکہ جو تم میں بڑا ہے وہ چھوٹے

کے مانند اور جو سردار ہے وہ خادم کے مانند رہے (لوقا : ۲۲، ۲۵، ۲۶) علامہ اقبال فرماتے ہیں ص

سروری در دین ماخدست گری است ، و عدل فاروقی و فقر حیدری است

اسارات اور افسری کا ضابطۂ اخلاق: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت و حکوست کے لئے یہ ضابطۂ اخلاق ارشاد فرمایا—«حکوست و امارت طلب نہ کرو۔ طلب کے بغیر ملے گی تو خدا تمہاری مدد کرے گا طلب کرو گے تو تمہارے ذمے ڈال دی جائے گی ، حکوست دنیا میں امانت ہے اور آخرت میں رسوائی اور ندامت ہے ۔ سوائے اُس کے جو اس کا حق ادا کرے اور اپنی ذمہ داریاں ایمان داری سے ادا کرے ۔

نیک افسروں کے لئے رحمت عالم کی دعاء: شفیق است رسول کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک افسروں کے لئے دعا اور برے افسروں کے خلاف بددعا مانگی ۔ اے اللہ ، جس شخص کے اختیار میں میری اُست کا کوئی کام ہو اگر وہ اُس سے نیک سلوک کرے تو تو بھی اُس سے نیک سلوک کر ۔ اور اگر وہ اس سے سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر» ۔

انتخاب شوریٰ کے لئے ضابطۂ اخلاق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وزیروں اور مشیروں کے انتخاب کے لئے ارشاد فرمایا ۔ جب اللہ امیر کے ساتھ خیر اور بھلائی کا سلوک کرنا چاہتا ہے آسے ایسا وزیر و مشیر دیتا ہے جو آسے بھولا ہوا فرض یاد دلاتا ہے اور جو فرض آسے یاد ہو اس کے ادا کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے ۔ اور جب اللہ امیر کے ساتھ خیر اور بھلائی کے علاوہ کوئی اور سلوک کرنا چاہتا ہے تو آسے ایسا وزیر اور مشیر دیتا ہے جو آسے بھولا ہوا فرض یاد نہیں دلاتا اور جو فرض آسے یاد ہو آسے ادا کرنے میں آس کی مدد نہیں کرتا» ۔

فرمایا شاوروالفقہاء عابدین «عبادت گذار ماہرین اسلامی قانون سے مشورہ لیا کرو ۔

اسلامی خدمات کی شرط: مشیر کے لئے ضروری ہے کہ اس نے اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دی ہوں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ لوگوں نے خلافت قبول کرنے کے لئے عرض کی ۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارا کام نہیں ہے ہم مہاجرین کرام یعنی ، اسلام کے لئے وطن ترک کرنے والوں اور غازیان بدر سے پوچھیں گے یہ اُن کے طے کرنے کا کام ہے ۔

مساوات انسانی: مساوات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا اللہ ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے ۔ تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو اور وہ مٹی سے بنائے گئے تھے ۔ کسی کو کسی پر تقویٰ کے علاوہ کسی وجہ سے فضیلت نہیں ہے ۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) — بحیثیت معلم اخلاق

مولنا عبدالرحمن سلفی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادران ملت! خالق کائنات کا مقصد و منشا ہی یہ تھا کہ انسان صحیفہ آسمانی کے سانچے میں ڈھلکر حسن اخلاق کا پیکر اور تہذیب و شائستگی کا مرقع بن جائے ۔ چنانچہ ہمیں تاریخ عالم کے اوراق پر معلمین اخلاق کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے ۔ اسمیں انبیاء بھی ہیں اور صلحا بھی، صوفیاء بھی ہیں اور حکما بھی، مفکر بھی اور محقق بھی، اور مذاہب عالم کے بڑے بڑے پیشوا بھی اور اسمیں شک نہیں کہ ان سب نے انسان کو اخلاق و تہذیب کے سبق سکھائے اور یہ بھی سچ ہے کہ انکی اخلاقی تعلیمات کے بڑے بڑے انبار لگ گئے ہیں ہر طرف ان کا چرچا ہے ۔ ان کے افکار اور اقوال کی اشاعت کا بھی بڑا انتظام ہے اور آج بھی بڑے بڑے دانائے روزگار معلم اخلاق کی عبا اوڑھ کر اخلاق فاضلہ کی تعلیم دے رہے ہیں ۔ لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ از آدم تا ایں دم صفحہ ہستی پر کوئی مصلح کوئی رشی اور کوئی مذہبی پیشوا خود مجسمہ اخلاق بنکر نمودار نہیں ہوا ۔ یہ شرف خدائے بخشندہ نے صرف وادی مکہ کے ایک امی معلم کو عطا فرمایا جو جہل و شقاوت کے تپتے ہوئے ریگستانوں میں پیدا ہوا ۔ اور عرب کے وحشی قبائل سے دو چار ہوا ۔ یہ ذات گرامی اس عظیم ہستی کی ہے جو دنیا میں خاتم نبوت بنکر مبعوث ہوا ۔ اور محسن انسانیت بن کر

---

*خطیب جامع مسجد ہدی، شارع محمد بن قاسم، کراچی ۔

رہا ۔ جس نے کائنات کے چہرے پر اخلاق حسنہ کا غازہ ملا ۔ اور دنیا کی بھیانک تصویر میں اخلاق و مروت کا نور بھرا ۔ اسلام کا یہ داعی اکبر صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے اس شان سے اترا کہ اس کے سر پر نبوت کا تاج تھا اس کے ہاتھ میں صحیفہ الٰہی تھا اور اسکی زبان پر رب ذوالجلال کی ثنا و صفت تھی اور وہ اخلاق حسنہ کا پیکر جمیل بنکر مبعوث ہوا ۔

عزیزان محترم ! یہ حقیقت ہے کہ اخلاق حسنہ اور تقویٰ اسلام کی روح ہے ۔ چنانچہ مبلغ اعظم محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے جو پاکیزہ تعلیم دی اسمیں یہی بتایا کہ راستبازی اور تقویٰ کا پہلا ثمر تو «ایمان» ہے ۔ اور دوسرا ثمر اخلاقی اوصاف ہیں ۔ چنانچہ اس تعلیم میں خدا کے صالح بندے وہ قرار دیئے گئے جن کے اخلاق بھی بہتر ہوں ۔ چنانچہ سورۃ فرقان میں ارشاد ہوا ۔

«اور خدا کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں ۔ اور جب ناسمجھ لوگ ان سے باتیں کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدہ میں رات گذارتے ہیں» ۔

دوسرے مقام پر سورۃ شوریٰ میں مقبول بندوں کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ

«اور وہ اپنے پردردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں ۔ اور جو غصہ کی حالت میں معاف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں ۔» ۔

اخلاق کے بہترین اوصاف میں صبر وثبات اور توکل و قناعت اور ایفائے عہد اور سخاوت و فیاضی شامل ہیں ۔ اور ایمان کی حقیقت میں میانہ روی ۔ عفو و درگذر ۔ اور بدکاری سے پرہیز ۔ قتل و خونریزی سے اجتناب وغیرہ کے بڑے تابناک مظاہر پوشیدہ ہیں ۔ حسن اخلاق کی اہمیت اس حقیقت سے عیاں ہے کہ داعی اسلام حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقرب الٰہی کے بہترین موقع پر دربار الٰہی سے جو سوال کیا وہ یہی حسن اخلاق ہے ۔ بلاشبہ یہ ایمان و اسلام کی

اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ ؑ

روح ہے - لیکن اس کی تکمیل بھی اخلاق ہی سے ممکن ہے - چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے - اکمل المومنین ایماناً آحسنھم خلقاً - مسلمانوں میں کامل ایمان آس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے - انسانوں میں باہم فرق و امتیاز کرنیکا ذریعہ بھی اخلاق کو قرار دیا گیا ہے - ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ خیار کم احسنکم اخلاقاً (بخاری) تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں -

ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ : احب عباد اللہ الی اللہ احسنھم اخلاقاً اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں -

برادران ملت ! دنیا کے اخلاقی معلمین اور انبیاء کی اخلاقی تعلیم کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر کی بنیاد عقل و فلسفہ ہے - حکمت و دانائی ہے اور مؤخرالذکر کا ماخذ و مصدر صرف وحی الہی ہے - دوسرا فرق جو انبیاء اور حکماء میں بہت واضح ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کی زندگی معصومیت کی درخشاں علامت ہے - ان کا دامن معصیت کی آلودگیوں سے یکسر پاک ہے - اور ان کے انقلابی کارناموں کے پاکیزہ اثرات انسانوں کی زندگی میں آشکارا بنیں - لیکن دنیا کے بلند ترین حکیم و دانا اور مخلص ترین مصلح و رہنما کی زندگی تو وہ عمل کی روشنی سے یکسر محروم ہوگی - وہ دوسروں کی رہنمائی کا مدعی تو بنتا ہے لیکن خود کجروں کی ظلمات میں بھٹکتا رہتا ہے - وہ غریبوں اور بے کسوں پر رحم کرنا تو سکھاتا ہے - لیکن خود رحم کرنا نہیں جانتا - وہ سچائی اور اور صداقت پر بلند پایۂ خطبہ تو دے سکتا ہے اور اپنی عبادت سے اپنی پاکدامنی کا ظاہری ثبوت بھی پیش کرتا ہے - لیکن اسکی زندگی میں کہیں سچائی کا شائبہ نہ ملے گا - یعنی اسکی زندگی لم تقولون مالا تفعلون - کا مصداق ہے - برخلاف اس کے جو مقدس ہستیاں مامورمن اللہ بن کر صفحہ ہستی پر جلوہ گر ہوئیں اور جو اللہ کے پیغمبر کہلائیں - انکی زندگی آفتاب کی مانند چمکتی رہی - ان کا ہر قول آنکی نیکی سے ہم آہنگ رہا - آنکی زبان ان کے دل سے مربوط رہی - انہوں نے اگر محبت کرنا

سکھایا تو دوسروں سے محبت کر کے دکھایا ۔ انہوں نے اگر رحم کی تلقین کی تو خود بھی رحم کرتے رہے ۔ جو انکی تعلیم تھی وہی ان کا عمل تھا ۔ سب سے زیادہ روشن و تابناک نمونہ تو ہادی برحق خاتم نبوت سرور کائنات محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے ۔ جنکی ذات گرامی علم و اخلاق کی سرتاج اور ادب و تہذیب کا سرقع ہے جس ذات کیلئے قرآن کا یہ ثبوت موجود ہے ۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم «بے شک آپ بڑے اخلاق پر ہیں» دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة یقیناً رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے ۔

اور عالم گواہ ہے کہ اخلاق حسنہ کے یہی وہ ہتھیار ہیں جسے لیکر عرب کا امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحشیوں اور بادیہ نشینوں میں پہنچا اور اپنے حسن اخلاق کی نرم شعاعوں سے ان کے فولادی قلوب کو موم بنانے میں کامیاب ہوا ۔ یہ ہمت و شجاعت اس قول و عمل کی ہم آہنگی سے پیدا ہوئی تھی جسے قرآن نے سکھایا تھا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کی تفسیر تھی ۔ جو قرآن میں تھا وہ آپ کی زبان پر تھا ۔ قرآن خود شاہد ہے ۔

وماینطق عن الہوای ان ھو الا وحی یوحیٰ

عزیزان قوم ! بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے خیر خواہ تھے ۔ خیر طلب تھے ۔ قرآن کی ہر تعلیم آپکی زندگی میں پیوست ہو گئی تھی ۔ قرآن کا یہ حکم آپ کی زندگی کا عنوان بن گیا تھا ۔ چنانچہ حسن خلق اور حسن عمل کی وہ تمام تعلیمات جو آپنے پیش فرمائیں ان سب کا اعلیٰ نمونہ بن کر خود آپ پیش ہوئے ۔ غرض آپ مجسم قرآن تھے اور پیکر وحی و الہام تھے ۔ اسرار کی تصدیق اس تاریخی واقعہ سے ہوتی ہے ۔ ایک بار صحابہ کرام کی ایک جماعت ام المومنین حضرت عائشہ کی خدمت میں پہونچی اور عرض کی کہ یا ام المومنین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور معمولات کی تعلیم فرمائیے ۔ ام المومنین نے برجستہ جواب میں فرمایا ۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ۔ یہ مختصر اور بلیغ جواب داعی اکبر کی حیات کی روح تھی ۔ سچ ہے آپ سراپا قرآن تھے ۔ اور اسی قرآن کی

یہ ساحرانہ قوت تھی - جس نے انسانی دلوں کو جگایا اور ان میں مومنانہ صفات داخل کیں - اور یہی وہ قرآن تھا جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تو قبیلے مسحور ہو گئے - اور اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے - مفکر اسلام علامہ اقبال نے بڑی حقیقت افروز بات کہی ہے

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

عزیزان گرامی قدر ! مومن وہ کہلاتا ہے جو قرآن کی روح کا اثر شناس ہو اور جسکی زندگی پوری کی پوری قرآن کے قالب میں ڈھل گئی ہو - لیکن یہ مومن لوگ کون تھے؛ یہ وہی تھے جنہوں نے دبستان نبوت سے فیض حاصل کیا تھا اور سرچشمہ معرفت الہی سے روح کی تشنگی دور کی تھی - اور یہ صرف اخلاق محمدی کا کرشمہ تھا کہ انسانی دلوں میں عرفان ربانی کے چشمے پھوٹے اور عشق و آگہی کی آگ سینوں میں سلگتی رہی -

پس اے بزرگان قوم ! اب آئیے ذرا حقیقت کے آئینے میں دیکھیں کہ کیا رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی قرآن تھے - کیا آپ وہی کرتے تھے جو آپ کہتے تھے کیا آپ کا قول آپ کے فعل سے ہم آہنگ تھا - ذرا تاریخ اسلام کا ایک زریں ورق دیکھئے - جنگ بدر کے اسیروں کی قطار چشمہ نبوت کے سامنے کھڑی ہے - تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ سے رائے لی - حضرت عمر کی رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزہ کو قتل کریں - لیکن حضرت ابوبکر نے رائے دی تھی کہ انہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے - محسن انسانیت - سراپا رحمت نے حضرت ابوبکر کی رائے پسند فرمائی اور پھر فدیہ لیکر اسیروں کو رہا کر دیا گیا -

رفیقان مکرم ! تاریخ یہ داستان بھی ہمیں بتاتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد جبابرہ قریش تاجدار نبوت کے روبرو نادم و شرمسار بنکر کھڑے تھے - یہ وہ ظالم و جابر لوگ تھے جنہوں نے تیرہ سال تک مکہ میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا

بنا رکھی تھی ۔ انہوں نے اللہ کے رسول کو بڑی اذیتیں دی تھیں ۔ انہوں نے قتل کی شازش کی تھی ۔ انہوں نے زہر دلوایا تھا ۔ انہوں نے پتھر کی چٹان پھینکی تھی ۔ لیکن پیکر رحمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی طرف دیکھکر صرف یہ پوچھا کہ تمہیں خبر ہے کہ تمہارے ساتھ میں کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔۔سب بول اٹھے آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں'' پھر زبان نبوت سے یہ الفاظ ادا ہوئے ۔ لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء ۔ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو بھائیو ۔ عفو و درگذر اور یہ رحم و کرم اور یہ عطا و بخشش دنیا کے کسی مصلح ' کسی درویش کسی پیشوا میں دکھا دو ۔ یہ لطف و نرمی یہ محبت و دل سوزی تو صرف نبوت کا خاصہ ہے اور یہ خاصیت خاتم نبوت محسن انسانیت اور سرور کائنات میں بدرجہ اتم موجود ہے ۔ یہی اخلاق تعلیم تھی جس نے تابندہ نقوش بڑے بڑے سرکشوں اور ظالموں اور جابروں کے دلوں میں بٹھائے اور پھر وہ اسلام کے شیدائی بن گئے ۔

عزیزان کرام ! اب تاریخ کا ایک ورق اور الٹیے آپ دیکھیں گے کہ ابوسفیان بدر میں احد میں اور خندق کی جنگوں میں سرغنہ بن کر شریک ہوا تھا ۔ کون ابوسفیان ؟ وہ جس نے کئی مسلمانوں کو بیدردی سے تہہ تیغ کیا تھا ۔ جس نے تاجدار مدینہ کو کئی بار قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا ۔ جو اسلام کا شدید دشمن تھا ۔ لیکن فلک کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا جب وہ آپ کے سامنے نمودار ہوا تو آپ نے اسے قید کرنے کا حکم دینے کے بجائے یہ فرمایا

«ابوسفیان ! ڈر کا مقام نہیں ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جذبہ انتقام سے بالا تر ہیں» ۔

«پھر نہ صرف آپ کا یہ رویہ ہمدردی بلکہ آپ معافی کا اعلان فرماتے ہیں بلکہ یہ اعلان بھی فرماتے ہیں کہ » جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے» ؛

براران ملت ۔ اسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیغمبر کو قرآن کا عملی نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جس نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ ایک لاکھ پچیس ہزار سے زیادہ جاں نثار صحابہ گردو پیش جمع تھے ایک بلیغ و جامع خطبہ سنایا ۔ ایسا خطبہ اور ایسا منشور جو مسلمانوں کے لئے ابدی دستور حیات بن گیا ۔ ناقابل تغیر ناقابل تنسیخ یہ اسی دستور کا کرشمہ ہے ۔ وحشت و بربریت کی دنیا امن و سلامتی کا گہوارا بن گئی۔ ارشاد ہوتا ہے «آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل قرار دیئے گئے ۔ یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کر دو ! اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیع بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں ۔ جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی کاروبار ختم کرتا ہوں»۔

برادران مکرم ! حق تو یہ ہے کہ داعی اکبر اور معلم اعظم کی ۲۳ سال پر پھیلی ہوئی اخلاقی زندگی کا قلم بند کرنا انسان کے حیطۂ امکان سے خارج ہے اور میں تو اپنی علمی بے مائیگی کے باعث کسی درجہ میں بھی موضوع کا حق ادا نہیں کر سکا ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اخلاق محمدی کی روشنی میں اپنی زندگی سنوارنے کی توفیق بخشے اور ہمارے وطن عزیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اپنی پوری ضیا پاشیوں کے ساتھ جلد جلوہ افروز ہو اور ہم سب خاص طور پہ ہمارے حکام بالا اخلاق محمدی کا نمونہ بنکر عملی زندگی بسر کریں ۔

واخر دعوناان الحمد للہ رب العالمین

حضور سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) معلم اخلاق

ڈاکٹر مولانا سید نجم الحسن کراروی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے «وما ارسلنک الا رحمة للعٰلمین کہ ہم نے آپ کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ۔ اُفق عرب یا یوں کہہ لیجئے کہ اُفق دنیا پر اندھیری راتوں اور طاغوتی طاقتوں کے حصار نے اچھے اور برے کی تمیز ختم کر دی تھی لوگ سچائی کو بھول بیٹھے تھے حلال و حرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی تھی ۔ دنیا کے چہرے پر گمراہیوں اور ذلتوں نے قبضہ جما رکھا تھا ۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ ایک معلم اخلاق تشریف لایا ۔ ذاتی رنجشوں ' ذہنی پستیوں کو دور کرنے کے لئے اخلاق اور علم کی تعلیم دینے کے لئے اللہ کی واحدنیت کا اعلان کرنے کے لئے ہمیں ایک بے مثل و عدیم النظیر انسان عطا ہوا ۔ اور انسان کامل نے عرب بدوؤں کی قسمتوں کو پلٹ کر رکھدیا ۔ جہاں اُس دور کے لوگ آپ کی جان کے دشمن تھے وہاں آپ کے اخلاق و کردار نے ایسا سبق دیا کہ اُن کی بد اعمالیاں ختم ہو گئیں ۔ بدکرداری اچھے کردار میں بدلنے لگی ۔

---

*ممتاز عالم دین و مصنف (موصوف علالت کی وجہ سے خود شرکت نہ کر سکے مگر یہ مقالہ ان کی طرف سے پڑھا گیا) ۔

ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ جو شخص کردار تبدیل کر رہا تھا وہ خود احسن ترین شخصیت تھے برائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے تھے خدائے واحد حقیقی نے صرف اس لئے کائنات کی تخلیق کی تھی کہ اُس کی عبادت کی جائے اور اسی وسیلہ و واسطہ کی خاطر اُس نے سرور کائنات کو رحمت بنا کر بھیجا تھا ۔

صدیوں کے بگڑے ہوئے انسانوں کی تہذیب و تمدن کی درستگی کے لئے ایک ایسے انسان کا انتخاب کیا گیا جو اسلام کے وجود ظاہری سے قبل کفار کی نظر میں صادق اور امین تھا اُس کی صداقت اور امانت مشہور کائنات تھی ۔ عرب کے وحشی انسان میں انسانی قدر و منزلت خواتین کی عزت و توقیر اور اخلاق اور دین کی سربلندی کے اصول کا فقدان تھا ۔ شراب اور دیگر امور حرام عام تھے ۔ عورتوں کو پستی میں ڈال دیا گیا تھا ۔ آج کی دنیا خواتین کو برابر کے حقوق دینے کی دعویدار ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ عظیم الشان شخصیت ہیں جنہوں نے ہر طبقہ کو اُن کے حقوق دیئے ۔ خواتین کو تحفظ رسول مکرم کی بدولت حاصل ہوا ۔ صحرائے عرب کے دم توڑتے بدو عقل انسانی کے مقابلے میں اپنے آپ کو اہم تصور کرتے تھے لیکن اُن میں اخلاقی بلندی کا فقدان موجود تھا ۔ آج کی دنیا بڑی ترقی یافتہ کہلاتی ہے ۔ لیکن اس با اخلاق اور ترقی یافتہ دنیا کا اصلی سنگ بنیاد رسول مکرم ہی نے رکھا تھا آپ کے نظریے میں خدا کی واحدنیت بے لوث عقیدگی اور انسانی اُخوت کو ایک بلند مقام حاصل تھا ۔ یہ چھٹی صدی ہجری کی بات ہے کہ اسلام خطہ عرب میں تھا ۔ اور اب روس چین سمیت دنیا کے ہر کونے میں موجود ہے ۔ آج ہر دن میں پانچ وقت اللہ کی واحدنیت اور رسول مکرم کی رسالت کی گواہی کے لئے اذان بلند ہوتی ہے ۔ واحدنیت خدا کا ڈنکا ہر کونے سے بلند ہوتا ہے ۔ دنیا کا کوئی بھی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں اسلام موجود نہ ہو ۔

یہ معلم اخلاق کی برکت ہے ۔ اسمیں تلوار کی فتوحات شامل نہیں ہیں ۔ اسمیں زبردستی یا اخلاق باختگی کو دخل حاصل نہیں ہے ۔ بلکہ کردار کی عظمت

کی وجہ سے ایسا ہو سکا ہے ۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سربراہ اسلام ہی نہ تھے بلکہ سربراہ مملکت بھی تھے ۔ سفراء اور عوام سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا ۔ اگر کوئی غیر مذہب کا ملاقاتی آتا تو آپ آسکا بڑھ کر استقبال کرتے ۔ اپنی عبا بچھا دیتے ۔ اور آسے اپنی عبا پر بٹھاتے ۔

یہ کردار یا یہ اخلاق مجسمہ اخلاق ہی پیش کر سکتا ہے ۔ ہمارے یہاں اب اخلاق کی بلندی صرف کتابوں ۔ رسالوں ۔ اور تقاریر تک محدود ہو گئی ہے ۔ ہم نے آس راستہ کو چھوڑنا شروع کر دیا ہے جو نبی کریم نے بتلایا تھا ۔

ایک مرتبہ فخر موجودات باعث ایجاد عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«لوگو ! میری بات غور سے سنو اور سن کر دوسروں تک پنچاؤ ۔ جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے ۔ اور انسان ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے »

اسطرح معلم اخلاق نے ایک نسل کے دوسری نسل پر فوقیت کی بات کو یکسر ختم کر دیا نسلی تفرقہ افسانہ نظر آنے لگا ۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ مسلمانوں میں ایسا بھی ہوا کہ آزاد کردہ غلام سربراہ مملکت بن گئے ۔ اخلاق کی بلندی کی وجہ سے اسلام نے لوگوں کے دلوں میں جگہ کی ۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ۔ اور اسکی تبلیغ کے لئے نبی کریم کو مبعوث فرمایا ۔ اس وقت بھی ہماری دنیا میں ایسے افراد مل جائینگے جو اسلامی راہ سے بھٹک چکے ہیں ۔ لیکن آنکا اس راہ سے ہٹنا احکام سے انحراف تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام سے نہیں ۔ رسول کریم نے عیسائیوں اور یہودیوں کے جان و مال ۔ حقوق کی حفاظت کا حکم دیا ہے ۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روا داری کسی ایک مذہب کا خاصہ نہیں بلکہ جنہیں دنیا قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے آسے اسلام کے دامن میں پناہ مل جاتی ہے ۔

یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک راہ سے گذرا کرتے تھے تو ایک بوڑھی عورت اپنے گھر کا سارا کوڑا کرکٹ جمع کرکے اس انتظار میں بیٹھتی کہ کب کالی کملی والے تشریف لاتے ہیں ۔ آپ آدھر سے گذرتے تو وہ کوڑا کرکٹ سرکار دو عالم پر پھینک دیا کرتی ۔ یہ اسکے روز کا معمول تھا ۔ ایک دن گذرے تو اس عورت نے ایسی کوئی بدتمیزی نہیں دکھائی ۔ آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے؟ وہاں معلوم ہوا کہ وہ عورت بیمار ہے ۔ آپ اس کے گھر گئے ۔ اس نے دیکھتے ہی کہا کہ

«اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! تم ایسے وقت میں بدلہ لینے آئے ہو جب کہ میں بیمار ہوں»

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بدلہ لینے نہیں آیا بلکہ میں نے سنا تھا کہ تو بیمار ہے تو عیادت کرنے چلا آیا کیونکہ یہ میرا اخلاقی فرض تھا ۔ اس بلندی کردار و اخلاق کو دیکھ کر وہ عورت سرکار دو جہاں کے قدموں پر گر پڑی ۔ اور التجا کی کہ آپ اسے کلمہ پڑھائیں ۔

یہی طریقہ تبلیغ تھا جس کی بدولت اسلام ہم تک پہونچا ۔ دعوت ذوالعشیرہ سے لیکر غدیر خم تک حضور اقدس نے جو مشکلات برداشت کیں ۔ وہ تاریخ اور انسانوں کے لئے عبرت کا مقام ہیں ۔ تبلیغ کے دوران کے مصائب کچھ کم نہ تھے ۔ لیکن اخلاق کی بلندی نے ان مصائب کو ماند کر رکھا تھا دشمنوں نے تلوار اٹھانے سے بھی گریز نہ کیا ۔ اللہ کے رسول نے مقابلہ بھی کیا ۔ لیکن یہ تلوار اسلام کے پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ عظمت اسلام کو ظاہر کرنے کے لئے اٹھائی تھی ۔

تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں ۔ جن میں معلم اخلاق کے کردار پر روشنی پڑتی ہے ایک ایسا ہی واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت گر پڑی ۔ اندھیری رات اور انجان سے علاقے میں وہ بے یارو مددگار تھی ۔ آپ نے اسے

اٹھایا اور اسکے گھر تک پہونچایا ۔ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ نبی کریم کو کیا دعا دیتی ہے ۔ کہتی ہے کہ

«اے نوجوان ! خدا تجھے محمدؐ کے شر سے محفوظ رکھے ۔ جس نے ہمارے خداؤں کی شان میں گستاخی کی ہے»

آپ نے اُس عورت سے پوچھا کہ تو نے محمدؐ کو دیکھا ہے ۔ اُس نے کہا کہ نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہی محمدؐ ہوں ۔ یہ سننا تھا وہ آپکے قدموں پر گر پڑی ۔ اُس نے کہا کہ جس بلند اخلاق و کردار کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے وہ سچے لوگ ہی کر سکتے ہیں ۔ اُس نے کلمہ پڑھنے کی خواہش کی اور مسلمان ہو گئی ۔

ایک طرف تو ہمارے آقا و مولا کا یہ کردار ہے ۔ تو دوسری طرف ہم خود کیا کر رہے ہیں ۔ ہمارے درمیان نفاق کی لمبی لمبی صورتیں موجود ہیں ۔ ہم ایک دوسرے کے دشمن بن رہے ہیں ۔ تعلیمات محمدؐ اور اخلاق محمدؐ سے دور ہو رہے ہیں ۔ ہم الگ الگ بولیاں بولنے کے عادی ہو گئے ہیں ۔ مجھے یاد ہے کہ ایک وقت تھا جب ۱۹۴۹ء میں ایک پاکستانی مفکر نے امریکہ میں ایک تقریب میں کہا تھا کہ

«میں مسلمانوں کے کسی کارنامے کو اپنا ذاتی کارنامہ اور مسلم دنیا کی ناکامی کو اپنی ناکامی سمجھتا ہوں»

یہ اُسی وقت کی آواز ہے جب ہم سب ایک تھے ۔ ہم میں تفرقہ کم تھا ۔ اور ہم نے اللہ کی تائید ونصرت سے پاکستان حاصل کیا تھا ۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہم اگر تعلیمات رسول پر عمل کریں تو کیوں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے شاید یہ اس لئے نہیں ہو رہا کہ ہم زبانی کلامی باتوں کے عادی ہو گئے ہیں اور عمل سے ہمارا تعلق ختم ہو کر رہ گیا ہے ۔ ہمیں زبان کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرنا چاہیئے کیونکہ ہماری نجات صرف احکام خداوندی پر عمل کی وجہ سے ہو سکتی ہے ۔

آیئے ! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آئمہ اطہار کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

اللھم صلی علی محمد و آل محمد

قرآنی اخلاق کا پیکرؐ

عبدالرحمن طاہر سورتی*

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : «مجھے نبی بنا کر بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کر جاؤں» اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے اخلاق کا سرچشمہ وحی الہی تھا ، اس کی تصدیق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھنے والے کو دیا تھا :

«کان خلقه القرآن» یعنی آپ کے اخلاق کا سراپا تو قرآن تھا ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید اپنے قاری کو اللہ کے رنگ میں رنگ جانے کی تعلیم دیتا ہے ، اور علامہ اقبال مرحوم کی زبان میں مرد مومن اگرچہ بظاہر قرآن پڑھتا نظر آتا ہے لیکن دراصل وہ سراپا چلتا پھرتا قرآن ہوتا ہے :

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اخلاق اس کردار و معاملہ کا نام ہے جو انسان خالق کائنات اور مخلوقات کے ساتھ سوچ سمجھ کر قصد و ارادہ کے ذریعے اختیار کرتا ہے ۔ اگر کسی کہ

---

*سابق ریڈر ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ۔

میں عقل و شعور اور قصد و ارادہ کا دخل نہ ہو تو وہ اخلاق گرفت میں نہیں آتا ۔ جو لوگ بے دست و پا ہو کر زندگی کے تند و تیز سیلاب میں بہتے چلے جاتے ہیں وہ اخلاق سے عاری ہوتے ہیں' اس کے برخلاف ایک بلند مقصد متعین کر کے اس کے حصول کے لئے ذیلی مقاصد بناتے ہوئے اپنی قوتیں اور صلاحتیں صرف کر دینا اخلاق کہلاتا ہے۔ آئیے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کی عظمت کا سراغ معلوم کرنے کے لئے قرآن مجید سے اس بلند ترین مقصد کو معلوم کریں جس کے لئے جن و انس کی تخلیق کی گئی ہے ' ہمیں دیر نہیں لگے گی اور ہم سب بیک آواز جواب دیں گے کہ وہ مقصد اعلیٰ ایک اللہ کی عبادت یعنی خالق کے قوانین کی پابندی اور اس کے احکام کی اطاعت ہے ۔ درحقیقت یہی اللہ کا دین ہے اور یہی اسلام اور یہی صراط مستقیم ہے ۔

یہی «عبادت» قرآنی اخلاق کا منبع اور عبد کے ہر عمل کا جذبۂ محرکہ ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کامل عبد تھے اس لئے آپ سراپا اخلاق قرآن تھے ' یعنی عبدیت تھی جو آپ کے ہر عمل میں جھلکتی تھی اور جس کے باعث آپ کے اخلاق میں نرمی و سختی ' محبت و دشمنی ' غفاری و قہاری اور قدوسی و جبروت یکجا تھے ' عبادت اخلاقیات کا وہ منتہی ہے جس کے تحت قرآن مجید کے جملہ اخلاق فاضلہ آ جاتے ہیں ' ایمان و احسان ' توکل و تقویٰ ' خشیت و انابت ' عدل و اطاعت ' اخلاص و وفا ' صدق و کرم ' خوف و تواضع ' غیرت و حمیت ' جرات و عزیمت ' قوت و شوکت ' صبر و ثبات ' صدق و کرم ' شجاعت و استغنا ' نظم و ضبط ' باہمی اخوت و محبت ' جمال و جلال ' مسلسل جہاد و عمل صالح ' علم و حکمت کی تلاش ' تسخیر کائنات ' امن و سلامتی ' اتباع حق ' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اس قسم کی جملہ خصال حمیدہ صرف اور صرف عبادت اللہ واحد» کا نتیجہ ہیں ۔

قرآن مجید میں جتنی صفات حمیدہ بیان کی گئی ہیں وہ عبد کی صفات ہیں ۔ اگر کوئی عبد نہیں تو نہ وہ مومن ہو سکتا ہے نہ متقی ' نہ مخلص ہو سکتا ہے نہ

محسن، نہ صدیق ہو سکتا ہے نہ متوکل اور حد یہ ہے کہ اللہ نے جسے بھی نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا عبد ہونا اس کے لئے لازم ٹھہرایا ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عبد ہونے پر رضامند اور مطمئن تھے ، آپ فرماتے تھے میں عبد ہوں اور کسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک عبد کھاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے : ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن (النحل : ۱۲۵) چنانچہ آپ نے پوری حکمت اور پند و نصیحت کے ذریعہ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دی ، اللہ کا کلمہ بلند کیا اور کسی کو جبراً زبردستی تلوار کے ذریعے اسلام قبول نہیں کرایا۔

قرآن مجید میں «اقرأ» کہہ کر علم حاصل کرنے ، پڑھنے لکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور «رب زدنی علما» کی دعا بتا کر علم کی بے کرانی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے دروازے کھول دیئے اور امی قوم کو پڑھنے لکھنے کے قابل بنایا ، پڑھانے لکھانے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور مسجد میں علم حاصل کرنے کی سہولتیں فراہم کیں ، آپ نے علم حاصل کرنا ہر مرد و زن پر فرض قرار دیا اور حکمت کو مومن کی متاع گم گشتہ قرار دے کر ہر مسلمان کو علم و حکمت کی تلاش میں مصروف کر دیا۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ علم آ جانے کے بعد خواہشات و اھواء کا اتباع نہ کرو۔ اپنے امور باہمی مشاورت سے طے کرو ، صراط مستقیم پر گامزن ہو کر اللہ کے انعامات و کرامات کے مستحق بن جاؤ۔ خوب سے خوب تر کو اپناؤ ، آباء و اجداد کے رسم و رواج میں الجھ کر نہ رہ جاؤ۔ اس اعتبار سے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں آپ کے کردار میں انقلاب انگیز مثالیں ملتی ہیں۔

معرفت و علم کے ذریعہ حق واضح ہو جانے پر کسی سابقہ عمل یا فیصلہ کو واپس لینا بہت بڑی اخلاقی جرات ہے ، لوگ یہ جانتے ہوئے بھی اپنے آباء و اجداد کے آئین و طریق کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے کہ اس سے انہیں

سخت تکالیف اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ وہ بار بار کے تجربوں کے بعد بھی اس بھلی اور مفید چیز کو اپنانے میں ھچکچاتے ہیں جس کا رواج ان میں نہیں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انفع اور بہتر شے کے ملنے پر اس سے کمتر شے کو چھوڑنے میں کبھی تردد نہ فرماتے تھے ۔ اگر آپ کو عمدہ لباس پیش کیا گیا تو آپ نے بلا تامل اسے زیب تن فرما لیا ۔ اور جب آپ کو بتایا گیا کہ روم میں خطیب کو نمایاں کرنے کے لئے منبر پر کھڑا کیا جاتا ہے تو آپ نے فوراً اپنے لئے منبر بنانے کی ہدایت فرما دی ' ایک مرتبہ آپ سے ابیض بن حمال مازنی نے مارب کے علاقہ میں جاگیر مانگی تو آپ نے ان کی خواہش کے مطابق وہ زمین عطا فرما دی ' لیکن جب وہ واپس چلے تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا : یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے انہیں کیا کچھ دیدیا ہے؟ آپ نے تو اسے نمک کی کان دیدی ہے ۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ واپس لےلیا اور وہ زمین انہیں نہ دی ۔ (کتاب الاموال) ۔

مدینہ میں لوگ کھجوروں کے درختوں میں زیادہ پھل پیدا کرنے کے لئے عمل تأبیر کرتے تھے ' آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ایسا نہ کرنے سے کیا نقصان ہوگا ؟ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ اس کام کو غیر ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ وہ عمل چھوڑ دیا ۔ نتیجۃً کھجور کی پیداوار کم ہو گئی ' آپ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو فرمایا : اپنے یہ کاروباری دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو ۔

قرآن مجید مقصد اعلیٰ اور غایت نہائی کی رہنمائی کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس تک پہنچنے کے لئے ذیلی مقاصد متعین کئے جاتے ہیں ' یہ ذیلی مقاصد باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاورت کو بڑی اہمیت دیتے تھے ۔ رسول ہونے کے باوجود آپ کو مشاورت کا حکم دیا گیا تھا ' آپ نہایت سنجیدگی سے مشورہ میں طے پانے والےفیصلہ پر پابند رہتے تھے اور کبھی مشورہ میں اپنے رائے کو اولیت یا اس پر اصرار نہ فرماتے تھے بارہا آپ نے قابل

مشیرون کے مشورہ پر اپنا طریقہ بدل دیا - سیرت النبی میں «فاستشار الناس» اور «أشیر والعلی» کے جملے اس امر کے ثبوت ہیں (عیون الاثر لا بن سید الناس ج ا-ص ۲۴۷) -

آپ کو جب کسی مشورہ یا معاملہ میں دو طریقے ملتے تو آپ ان میں سے جو سب سے زیادہ آرام دہ آسان اور مفید ہوتا اسے اختیار فرماتے «فاختار أیسر هما» یعنی ایسے طریقہ کو اختیار کر لیتے جو زیادہ کشادگی و آسودگی خوشحالی و فراخی کا باعث ہوتا اور جس میں عوام یا انکی اکثریت کو زیادہ فراغت و سہولت میسر ہوتی - کوئی ایسا طریقہ جس میں لوگوں پر تنگی و تکلیف میں اضافہ ہوتا آپ کبھی قبول نہ فرماتے - یہی وجہ ہے کہ المصلحة العامة اور استحسان آپ کی سیرت کے نمایاں خد و خال ہیں اور یہ سب قرآن مجید کے اس ارشاد کے تحت تھا : یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرة - ۱۸۵) آپ فرماتے تھے « یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا» آپ صلی الله علیہ وسلم کی سیرت پر قرآن مجید نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا : وانک لعلیٰ خلق عظیم (القلم - ۴) اور «لو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک (آل عمران - ۱۵۹) آپ کے اس طرز عمل میں ہمارے دفتری کارکنوں کے لئے بڑے اسباق ہیں - کاش وہ بھی قرآنی اصول اخلاق کو اپنا کر آپ کی سنت طیبہ اور اسوہ حسنہ سے اکتساب فیض کریں اور ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانهٔ ولی حمیم - (فصلت - ۳۴) کے مصداق بن جائیں -

قرآن مجید نے عقل و فکر سے کام لینے کی تعلیم دی اور آنحضرت صلی الله علیہ وسلم نے آسمانوں اور زمین میں الله تعالیٰ کی قوتوں کو معلوم کرنے کی دعوت دی ، علم و فکر ہی وہ قوتیں ہیں جو انسان کو اوہام و خرافات سے بچاتی ہیں اور آباء و اجداد کے رسم و رواج اور ان کے طور طریقوں کی اندھا دھند تقلید سے نجات دلاتی ہیں -

قرآن مجید نے « یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجهاوبث منهما رجالا کثیرا و نساء (النساء : ۱) اور « ان هذه امتکم

امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون » (الانبیاء - ۹۲) کے ذریعے انسانوں کو مساوی درجہ عنایت فرمایا - کالے اور سفید کی تفریق مٹائی ، عربی اور عجمی کے امتیاز کو ختم کیا ، چنانچہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا : یا ایھا الناس ان ربکم واحد ان اباکم واحد ، کلکم من آدم و آدم من تراب -

قرآن مجید نے «لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل» (النساء - ۲۹) کہہ کر استحصال کے جملہ ھکنڈوں کو حرام قرار دیدیا ، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے جملہ کاروباری معاملات جن میں استحصال ہوتا اور غریب پر بوجھ پڑتا تھا حرام قرار دیدیئے -

قرآن مجید نے عورت کی مظلومیت و محرومیت کا سد باب کرتے ہوئے عورت کو ذمہ دار قرار دیا ، اسے کمانے کا حق دیا ، للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن (النساء : ۳۲) اور مردوں کو عورتوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت دی «والمؤمنون والمؤمنت بعضھم اولیاء بعض (التوبۃ - ۷۱) اس نے کہا کہ عورتوں کو اتنی مراعات ملینگی جس قدر وہ ذمہ داریاں اٹھائیں گی «ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف (البقرہ - ۲۲۸) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلوں اور اپنے ارشادات کے ذریعے عورت کے حقوق اور اسکی آزادی کی حفاظت کی -

قرآن مجید میں محنت اور عمل پر بڑا زور دیا گیا ہے ، لیس للا انسان الا ماسعی - (النجم - ۳۹) اور وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمؤمنون (التوبۃ - ۱۰۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محنتی اور کام کرنے والے کا بڑا احترام کیا ہے ، آپ خود اپنے بہت سے کام انجام دیتے اور فرماتے کہ مزدوروں سے اتنا ہی کام لو جو وہ آسانی سے انجام دے سکیں اگر زیادہ کام ہو تو ان کی خود بھی مدد کرو (بخاری) آپ نے الکاسب حبیب اللہ فرما کر حلال کی کمائی کرنے والے کی حوصلہ افزائی فرمائی ، آپ نے فرمایا : انسان کی سب سے باعزت کمائی وہ ہے

جو وہ اپنے ہاتھوں سے کمائے (مسند امام احمد بن حنبل) آپ نے یہ فرما کر کہ میں روز قیامت اس مزدور کا وکیل ہونگا جس سے کام تو پورا لے لیا گیا ہو اور مزدوری پوری نہ دی گئی ہو (بخاری ج ۲ ، ص ۱۳) مزدوروں کے حقوق کی پوری پوری ضمانت دی ۔ آپ نے پیداواری عمل بڑھانے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر قیامت آگئی ہو اور تم میں سے ایک شخص پھل دار درخت کا پودا بو رہا ہو تو اسے بو دے کہ اس پر بھی اجر ملے گا ۔ یہ سب اس لئے کہ ایک کامیاب معاشرہ وہی ہوتا ہے جس کا ہر فرد پیداواری کام کرتا ہو اور کسی دوسرے پر بار نہ بنے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل ایک بلند مقصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتا ۔ الفاظ سے صرف نظر کرتے ہوئے مقصد و معنی ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتے ۔ آپ کی تعلیم یہ تھی کہ «من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ» یعنی ہر وہ کام جو بے مقصد ہو اسے ترک کر دینا بھی اسلام کی خوبی ہے اور جس کا مقصد حق کی تلاش ، عدل کی تنفیذ ، خیر و معروف کی اشاعت یعنی اطاعت رب اور عبادت الہ واحد ہو اسکی زندگی کے افعال میں جو توازن و حسن ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ۔

قرآن مجید مظاہر و شکلیات پر تاکید کرنے کے بجائے داخلی تغیرات اور معنویات پر زور دیتا ہے ، وہ کہتا ہے : لیس البران تو لوا و جوھکم قبل المشرق و المغرب (البقرہ ۔ ۱۷۷) اس کی نظر میں نصیحت و عبرت حاصل کرنا حقائق تک پہنچنا ، کتاب اللہ کے اسرار کا ادراک انہی کا حصہ ہے جو صاحب عقل و بصیرت ہیں ۔ وما یذکر الا اولوا الالباب (البقرہ ۔ ۲۶۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں علم و حکمت پروری کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گذری اور آپ اللہ تعالیٰ کے انعامات و اکرامات سے مالا مال ہوئے ۔ آپ مقصد سے متفق ساتھیوں کی غلطیاں معاف فرماتے ، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ان کے لئے اللہ سے دعائیں مانگتے ۔ لہذا آپ کے رفقائے کار ہمیشہ دل سے آپ کا ساتھ دیتے اور میر کاروان کے لئے یہ کامیابی کا بہت بڑا وسیلہ ہے ۔

آخر میں ایک بار پھر دھراتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ کامیابیاں اور آپ کے اخلاق فاضلہ کے جملہ پہلو ' عبادت اللہ واحد» کا ثمرہ تھے۔اگر ہمیں اپنی زندگی کے جملہ اعمال میں کامرانیاں مطلوب ہیں تو ہمارے لئے بھی یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد ایک اللہ کی عبادت بنا لیں اور زندگی کے تمام کام «عبادت» کے نقطہ نظر سے انجام دینے لگیں ۔

******

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

عنایت اللہ صاحب*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم !

صاحب صدر، حضرات ! میں اپنی بساط اور محدود علمیت کے مطابق چند خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں ۔ مجھے پورا احساس ہے اپنی بے بضاعتی کا مگر اس موضوع پر کچھ کہنے کے لئے مجھ جیسے حقیر انسان کا بھی کچھ حق ہے ۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کی عظمت اس بات میں پنہاں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور وہ سب اصول جو قرآن میں درج ہیں ۔ انسانوں تک کماحقہ پہنچا دیئے، ابلاغ کا کام بڑا مشکل کام ہے اور اسکے لئے بڑا ظرف چاہیے اور آدمی میں بڑی جان چاہیے نہ صرف انہوں نے پہنچا دیئے بلکہ ان کی وضاحت کی اور اس طرح کہ وہ کھل کر انسانوں کے سامنے آ گئے ۔ پھر ان کی تشریح کے طریقہ ہائے کار بتائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کہا اسے کر دکھایا ۔ دنیا میں بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں ۔ یونان میں اور دیگر ملکوں میں بڑی بڑی دقیقہ سنجیاں، فلسفہ طرازیاں ہوئیں ۔ لیکن ان سب کے پیچھے حسن عمل اور حسن کردار کی تصویر ذرا کم ہی نظر آتی ہے ۔ تو سب سے بڑا کارنامہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات سے رونما ہوا ۔ وہ یہ تھا کہ جب قرآن یہ کہتا ہے کہ "لما تقولون مالا تفعلون" تو انہوں نے جو کہا وہ کر کے دکھایا ۔ یہ بات کہنا

---

* ڈائریکٹر جنرل، پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروسز ٹریننگ اکیڈمی ۔

بہت آسان ہے لیکن اگر ہم آپ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ ابلاغ کا یہ کام اور پھر کتاب کو ان اصولوں کو ان احکامات کو قابل عمل قرار دیتے ہوئے سو فیصد کامیابی حاصل کرنا ۔ یہ بہت عظیم کام تھا ۔ ایک عظیم الشان کامیابی تھی ۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ جو ان کی زندگی کے درپے تھے ۔ جو سمجھتے تھے کہ وہ مجنوں یا ساحر ہیں، انہوں نے انہیں پہچانا، مانا اور دل سے قبول کیا ۔ اس کارنامے بلکہ کرشمے کی نظیر تاریخ عالم میں ہمیں کہیں نہیں ملتی۔ جہاں تک ان کے معلم اخلاق ہونے کا تعلق ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کہ ان کا خلق ہی قرآن تھا ۔ گویا وہ مجسم قرآن تھے اور اقبال کے شعر «قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن» کی تصویر تھے ۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن ہمیں کیا کہتا ہے یا سکھاتا ہے تو اب دیکھنیے کہ کس طرح قرآن کے اصول احکامات اور حدود آپ نے کامل طور پر قابل عمل ثابت کئے اور اپنی ذات میں ایسے ایسے حسن کردار کے نقشے واضح کئے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے ۔ عش عش کر اٹھتا ہے ۔ میری دانست مُیں جب قرآن میں اسوہ حسنہ کا ذکر آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عام انسان اگر وہ اصول اور احکام قبول کرے جو قرآن میں ہماری ہدایت کے لئے درج کئے گئے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی راہ ہدایت پر چلنے کی سعی اور ہمت باندھے تو اس میں بہت حد تک یقیناً ایسی خوبیاں پیدا ہو سکنے کا امکان ہے ۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات میں نمایاں ہوئیں ۔ یہی چیلنج ہے اور اس سے کسی مسلمان کو مفر نہیں ۔

اگر ہم اسوہ حسنہ کا صحیح مفہوم جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں پہلے یہ ماننا پڑیگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انسان تھے، ایک عظیم انسان تھے اور انہوں نے یہ ثابت کیا کہ ایک انسان ان بلندیوں کو چھو سکتا ہے جس کا ذکر اقبال خودی کے حوالے سے اپنے اشعار میں کرتا ہے ۔ ہمیں ایک مکمل تصویر نظر آتی ہے معراج انسانیت کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں۔

ان کے کام کو جانچنے کا ایک ظاہری معیار یا کسوٹی یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ متعلم یا جن کو تعلیم دی گئی تھی ان کی زندگیوں پر اس تعلیم کا کیا اثر ہوا ۔ اگر اس کسوٹی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ پرکھیں تو یہ پائینگے کہ انہوں نے انسان تعمیر کئے اور ایسے انسان جن کی نظیر نہیں ملتی ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں غیر مسلم بھی مثالی کردار مانتے ہیں، مجھے یاد ہے ایک دفعہ مہاتما گاندھی اپنی ایک تقریر میں بڑے بڑے لوگوں کے کارناموں کا ذکر کر رہے تھے تو ان کو یہ کہنا پڑا کہ جب وہ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو مثال کے لئے انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے افراد کا حوالہ دینا پڑتا ہے جو افکار میں اور کردار میں ہر طرح سے بلند تر تھے ۔ اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ وہ کیا عمل تھا وہ کیا طریقے تھے، وہ کیا انداز فکر تھا، وہ کیا کردار تھا جسکی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر کامیاب ہوئے کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی مجالس کا صحیح فائدہ تبھی پہنچ سکتا ہے اگر ہم جس با برکت ہستی کا ذکر کر رہے ہیں ان کے افکار و کردار سے روشنی اور ہدایت اخذ کرتے ہوئے اپنی زندگیوں میں ان اصولوں کو، ان طریقوں کو، ان احکامات کو سمونے کی کوشش کریں ۔ محض تعریف کر دینا یا عقیدت ظاہر کر دینا ہی کافی نہیں ہے ۔ میں جہاں تک دیکھ سکا ہوں یا سمجھ سکا ہوں میری نا چیز رائے یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں علم و کردار اور قول و فعل ایک اکائی بن گئے تھے ایک وحدت تھی جو نمایاں تھی، درخشاں تھی اور دوسرے مذاہب یا دیگر طرز ہائے فکر اور اسلوب ہائے عمل کے بر خلاف آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ گھر میں، باھر اصحاب صفہ سے باتیں کرتے ہوئے یا میدان کارزار میں حکمت و شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے، کاروباری سلسلوں میں انصار و یہود سے معاملہ کرتے ہوئے، ایک وحدت ہے جو فکر و عمل روح و خیال و کردار میں ہر وقت ہر جگہ رچی بسی ہوئی ہے ۔ اب آپ اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں ۔ سورہ البقرہ میں جیسے آپ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تین اقسام کا ذکر کیا ہے ایک وہ جو حقیقت کو دیکھتے ہیں اور اسے مان لیتے ہیں ۔ انہیں مومن کہہ لیجئیے یا مسلمان ایک وہ جو حقیقت دیکھتے

ہیں اور انکار کرتے ہیں اور اعلانیہ نہیں مانتے، ان کو کافر کہا گیا ہے اور کچھ وہ لوگ ہیں جو جب چاہتے ہیں مان لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انکاری ہوتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگوں کو جو کبھی ادھر اور کبھی ادھر ہوتے ہیں کو منافق کہا گیا۔ اگر ہم آج اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو میرے خیال میں زیادہ تر پاکستان میں یہ تیسری قسم ہی نظر آئیگی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تقاریب اور مجلسوں کا کیا فائدہ ہے اگر یہاں سے جانے کے بعد ہم وہی طریقے اور وہی اسلوب فکر اور بے راہ روی اور منافقت کے سلسلے شروع کر دیں تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے تو منافقت میں اضافہ ہی ہو گا۔ حق اور باطل کو خلط ملط کرنے سے شخصیت کمزور ہوتی چلی جائیگی۔ یہاں مجھے علامہ اقبال کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

تو یہ جو وحدت ہے فکر و عمل کی اصلی چیز یہی ہے اور یہی منبع ہے اچھے نتائج کا اور سب سے بڑی خرابی کی وجہ بھی تضاد اور ایمان کا فقدان ہے۔ اب میں کوئی الزام تراشی نہیں کرنا چاہتا یہ خرابی افراد میں بھی ہے۔ اور اداروں میں بھی ہے۔ اگر وزیر موصوف مجھے اجازت دیں اور گستاخی نہ سمجھیں تو ایک مثال پیش کروں۔ سگریٹ پینا صحت کے لئے مضر ہے۔ ٹیلی ویژن پر آپ کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ اس سے بچو اور یہ بڑی اچھی بات ہے کہ حکومت نے اس تنبیہ یا تنذیر کا سلسلہ شروع کیا ہے کہ سگریٹ پیو گے تو صحت خراب ہو گی لیکن اسی ٹیلی وژن پر سگریٹوں کے اشتہار بڑے پر کشش انداز میں پیش کئے جا رہے ہیں، ٹیلی ویژن والوں کو پیسے کی ضرورت ہے۔ شاید کچھ مجبوریاں ہیں یا ایسے کنٹریکٹ ہو چکے ہیں کہ اشتہار ابھی بند کرنا مشکل ہے۔ چھوٹی سی مثال ہے

کہ ہم مصلحتوں کی بناء پر بعض دفعہ اس طرح محصور اور مجبور ہو جاتے ہیں بلکہ میں کہوں گا معذور ہو جاتے ہیں کہ ہمیں وہ اصلی سبق جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ملتا ہے جو روشنی کی راہ وہ ہمیں دکھاتے ہیں۔ ہم اس سے ہٹ جاتے ہیں اس کا علاج کیا ہے علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں کہ میں نے اپنے احساسات اور اپنے خیالات آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ ہو سکتا ہے میں نے کچھ مبالغہ سے کام لیا ہو اسکے لئے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں یہ ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ اسلام کو مختلف خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ گھر میں آپ کی اقدار کچھ ہوں اور دفتر میں کچھ اور، کاروبار میں کچھ اور ہوں یا میدان کارزار میں کچھ اور ہوں۔ آپ ہر جگہ وہی ایک مسلمان ہیں۔ وہی معیاری اصول آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ مغرب کی طرح اسلام میں سیاست سے دین الگ نہیں ہوتا۔ ایسے تضاد کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مغرب میں اخلاق کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، پبلک موریلٹی اور پرائیویٹ موریلٹی۔ اس تفریق اور تضاد سے ہی ساری خرابی پیدا ہوتی ہے اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

دماغ روشن و دل تیرہ و نگاہ بے باک

اس ایک مصرعے میں اس نے مغرب کی تصویر کھینچ دی ہے کہ دلوں میں تیرگی ہے اور دماغ بہت روشن اور نگاہیں ضرورت سے زیادہ بے باک اور گستاخ ہو چکی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مختلف حالات میں مختلف اقدار کو اپنایا جاتا ہے۔ اسلام سرے سے یہ دو رخی اور دو رنگی تسلیم ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ اس اکائی کا طالب ہے۔ جو ایمان کی گہرائیوں سے دلوں میں پیدا ہوتی اور روزمرہ کے اعمال میں نمایاں اور اجاگر ہوتی رہتی ہے۔ جب تک دلوں میں یہ ایمانی کیفیت رچ بس نہ جائے، سرایت نہ کر جائے۔ اس وقت تک ٹھیک نتائج پیدا نہیں ہونگے خواہ کوئی شخص یا ادارہ یا معاشرہ کتنا ہی طاقتور اور دولت مند، خوشحال کیوں نہ ہو جائے۔ فرعون اور قارون کی مثالیں آپکے سامنے ہیں۔ ارشاد باری ہے کہ «یاایھا الذین آمنو ادخلو فی السلام کافہ» جب تک ہم اسلام کو کلی

طور پر نہیں اپناتے ، اور ہماری ٹوٹل کمیٹمنٹ (TOTAL COMMITMENT) نہیں ہوتی نتائج اچھے اور دیرپا نہیں ہونگے ۔ اگر ذرا بھی کھوٹ یا خیانت ہو گی تو خرابیاں ظہور پذیر ہونگی ۔ اسلام میں بار بار نماز اس لئے فرض کی گئی ہے کہ پانچ دفعہ اپنے آپ کو یاد دھانی کرائیں اور آنے والی ساعتوں کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں ۔ آپ اپنے ہاتھ اچھی طرح صابن سے دھوئیں اور دو چار گھنٹوں کے لئے باہر نکل جائیں جب واپس آئیں گے تو پھر دھوئیں اگرچہ فضا زیادہ مکدر نہ بھی ہو پھر بھی کچھ میل ہاتھوں سے خارج ہو گی ۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ایک عام انسان صبح اٹھنے کے بعد کام شروع کرتا ہے ، کتنی مصلحتوں کے لئے کتنے چھوٹے چھوٹے جھوٹ بولتا ہے اور کتنی خرابیوں میں پھنستا ہے ۔ غلط دستخط کرتا ہے یا ڈنڈی مارتا ہے یا اور خرابیاں کرتا ہے تو اسے موقع ملنا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو سیدھے راستے پر لانے کی سعی کرے اور بنیادی اقدار سے رشتہ جوڑے ، یہی نماز کا جواز ہے ۔

آپ قرآن غور سے پڑھیں تو یہ محسوس کرینگے کہ یہ کتاب ہے بے عملی زندگی کے لئے ۔ اس میں خدا نے انسان کی جو تصویر کھینچی ہے قابل غور ہے ۔ اب خدا نے خود انسان کو بنایا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ انسان کیا چیز ہے کہ وہ «ظلوماً جہولا» ہے «وہ جلد باز ہے» وہ «جھگڑالو ہے» ۔ یہ قرآن کے الفاظ ہیں ۔ انسان «تنگ دل ہے» «عاجلہ» کے پیچھے دوڑنے والا ہے کہ جلدی جلدی اسے بہت کچھ مل جائے ۔ اگر «احسن تقویم» ہے تو «اسفل السافلین» سے بھی دور نہیں ۔ اسے «فجور اور تقویٰ» دونوں ودیعت ہیں ۔ اپنے اختیار اور ارادہ سے چاہے تو ادھر ہو اور چاہے ادھر ۔ ہدایت تو قرآن حکیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں جامعیت کے ساتھ رہنمائی کے لئے موجود ہے ۔ میں اپنی تقریر کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا ۔ بس اسی ایک نقطے پر بات ختم کرنا چاہتا ہوں جو «لما تقولون مالا تفعلون» میں مضمر ہے ، ذرا غور کیجئیے اپنی زندگیوں پر اور یک رنگی ، یک سوئی اور وحدت فکر و عمل پیدا کیجئیے ۔ جب آپ دل سے حقیقت مان لینگے تو آسانیاں پیدا ہو جائینگی ، اچھے نتائج برآمد ہونگے ۔ صبر و تحمل سے مجھے آپ نے سنا ، مہربانی ، شکریہ ، اسلام علیکم !

حضورؐ کے اخلاق عظیمہ

پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاق عظیمہ کا مفہوم : اخلاق خلق کی جمع ہے اور خلق کا لفظ خلقت سے نکلا ہے ۔ جس کے معنی ہیں پیدائش اور فطری بناوٹ یا وہ چیز جو کسی انسان میں پیدائشی اور قدرتی ہو ۔

اصطلاح علوم میں خلق ایسے ملکہ کو کہتے ہیں جس کی بدولت افعال نفس انسانی سے فطری طور پر اور بغیر کسی غور و فکر کے بسہولت صادر ہوں ۔ کہ جن کیلئے کسی قسم کے تصنع کی ضرورت نہ ہو اور اخلاق عظیمہ سے مراد وہ غیر معمولی فطری افعال ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے امتیازی شان اور عظمت کے ساتھ مکمل اور جامع طور پر کسی خاص شخصیت میں پیدا فرمایا ہو ۔

ایسی ہی برگزیدہ شخصیتیں جنہیں احسن تقویم کے سانچے میں ڈھال کر علم و عمل کے اعلیٰ ترین معیار پر پیدا کیا گیا دنیا والوں کی پیشوائی کیلئے رسول اور نبی بنا کر بھیجے گئے ۔ کہ آن میں سے ہر کوئی یکتائے روزگار تھا ۔ پھر آن سب میں سے جو اپنی تمام تر خدا داد صلاحیتوں اور علم و عمل کی ساری عظمتوں میں یکتا ہے کہ جس میں کائنات ہستی کے تمام تر کمالات سمٹ کر

*صدر شعبہ علوم اسلامیہ ۔ گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج، سالکوٹ ۔

جمع ہو گئے ۔ آپ کو خلق عظیم سے آراستہ و پیراستہ کر کے اسوۂ حسنہ کا محور اور مرکز بنا دیا ۔ کہ وہ ابد تک کیلئے سارے عالم کے واسطے قابل تقلید نمونہ اور عظمت اخلاق کا صحیح پیکر ہے ۔

حضور کی رفعت شان : وہ پیکر عظیم جسے ور فعنالک ذکرک کہہ کے پکارا اور جس کے نام نامی کو جہانوں میں یاد کرا دیا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں اولاد آدم کا سردار یکتائے انسانیت بنا دیا اور جن کے ذریعہ اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی بعثت سے ہوا ۔

نیز آپ کو امام الانبیاء بنا کر آپ کے اخلاق حمیدہ کی تمام خصوصیات کو دنیا والوں کے سامنے اجاگر کرنے کا اہتمام فرمایا ۔ آپ خود دعا فرماتے اللھم حسن خلقی و خلقی ' اے مولا میرے اخلاق اور میری تخلیق ہر دو کو مزین فرما دے جسپر رب تعالیٰ نے قرآن پاک کا نزول فرمایا اور کلام اللہ کے ذریعہ آپ کے آداب و اخلاق کی اشاعت فرما دی ۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ «و کان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن» قرآن ہی آپکے اخلاق ہیں اسی بنا پر آپ ہی کی ذات گرامی تہذیب خلائق اور تأدیب عالم کیلئے قرآن کا مقصود حقیقی ہے ۔اسی کو پیش نظر رکھکر قرآن نے مکارم اخلاق کے ابدی اصول انسانوں کو عطا کئے ۔ اور پیارے رسول کو ان کا سراپا اور عملی رہنمائی کا سرچشمہ بنا دیا ۔ آپ ہی کے اخلاق و آداب کا نور مخلوقات کو سنور کرتا ہے اور آپ ہی کے خلق کریم کی روشنی انسانوں کے کردار کو چمکاتی ہے ۔ رب تعالیٰ نے آپ کے حسن خلق کے اس درجۂ کمال کی یوں توصیف فرمائی «وانک لعلیٰ خلق عظیم» کہ اے نبی آپ تو بلاشبہ اخلاق کے بڑے درجہ پر ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ حضور کو اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق اور ملکات پر پیدا فرمایا وہ مثالی ہیں اور آپ کے اعمال و اخلاق کی عملی تفسیر بھی ۔ قرآن جس نیکی

اور خوبی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً موجود ہے اور جس بدی اور زشتی سے روکتا ہے ۔ آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں ۔ پیدائشی طور پر آپکی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز بھی حد تناسب و اعتدال سے ہٹنے نہیں پاتی ۔ آپ کا حسن خلق اجازت نہیں دیتا کہ آپ کسی برائی پر کان دھریں اور کسی بدی کو در خور اعتنا جانیں ۔

خلق کی تخلیق کا شاہکار: امام بخاری علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ «جس طرح ماں باپ اولاد کو سنگارتے ہیں رب تعالیٰ نبی کو سنگارتا اور مزین کرتا ہے» ۔ رب تعالیٰ نے جس حسین انداز میں اپنے محبوب کی تزئین و آرائش فرمائی ہے اس کی مثال نہیں ۔ کہ آپ کو اخلاق حسنہ کا کامل اور مکمل مجسمہ بنا دیا ۔ اور کائنات کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا کہ میری تخلیق کا شاہکار یہ ہے ۔ اسی واسطے آپ کو معراج کرایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جتنا زمین سے آسمان اونچا ہے اسی قدر کائنات میں آپکی شان اونچی ہے ۔ کل فرشتوں نے اعتراض کیا تھا کہ آدم کو پیدا کیوں کیا آج انہی فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ قطار اندر قطار کھڑے ہو جاؤ اولاد آدم کے سردار تشریف لا رہے ہیں ۔

سرور کائنات کے اعلیٰ مراتب: دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں رب العزت نے خاتم النبیین کو جن لعلیٰ مراتب پر فائز فرمایا ہے ۔ حضور نے حدیث ذیل میں اس کل تفصیل یوں بیان فرمائی

«انا سید ولد آدم ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر و آدم دون ذالک یومئذ تحت لواءی ولا فخر وانا اوّل من تنشق الارض بی ولا فخر وانا اوّل شافع و مشفع ولا فخر وانا اوّل من یقرع باب الجنۃ ولا فخر وانا اوّل من یدخل الجنۃ ولا فخر»

میں اولاد آدم کا سردار ہوں ۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا ۔ آدم علیہ السلام بھی اس دن میرے جھنڈے تلے ہوں گے ۔ میں سب سے پہلے زمین سے اٹھایا جاؤنگا ۔

شفاعت کرنے والا اولین شافع بھی میں ہی ہونگا اور میں ہی سب سے پہلے جنت میں داخل کیا جاؤنگا ۔ اور یہ کوئی فخریہ کلمات نہیں ہیں ۔

انسانوں میں سب سے بہترین : اسی بنا پر آپ ہر لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور انسانوں میں سب سے بہترین ہیں ۔ آپ کے عادات و خصائل آداب و شمائل غرضیکہ طبیعت اور جبلت بھی تمام مخلوقات میں سب سے برتر اور بہتر اعلیٰ اور ارفع ہیں ۔ جیسا کہ صحابۂ کرام کے فرمودات کے اس شذرہ جیسے واضح ہے ۔

کان رسول اللہ احسن الناس اجود الناس اعبد الناس از هد الناس اورع الناس اتقی الناس اسخی الناس احلم الناس اشجع الناس اعدال الناس لا ینصر عن الحق ولا یجاوزہ اعف الناس لم تمس یدہ قط یدامرأۃ لا یملک رقہا او عصمۃ نکا حہا اوتکون ذات محرم لہ واشد الناس حیاء لا یثبت بصرہ فی وجہ احد (ترمذی بیہقی)

رسول اکرم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت سب سے زیادہ بخشش والے سب سے زیادہ عبادت کرنے والے سب سے زیادہ زہد والے سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ متقی سب سے زیادہ سخی سب سے زیادہ بردبار سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ منصف کہ نہ تو کسی کے حق سے کم کرتے اور نہ ہی زیادہ اور لوگوں میں سب سے زیادہ عفت والے پاکیزہ تھے ۔ کہ آپ کے دست مبارک سے کسی غیر محرم عورت کا ہاتھ کبھی نہیں لگا تھا ۔ اور سب سے زیادہ حیا والے تھے کہ آپ کی چشم مبارک کسی کے چہرہ پر جمتی نہ تھی ۔

حضور کا مرتبۂ کمال : 'الیوم اکملت لکم دینکم' کی آیت میں تکمیل دین کی بشارت کے ساتھ ساتھ حضور کے مرتبۂ کمال کا اعلان بھی ہوا ۔ اور نہ صرف یہ کہ دین مکمل ہوا بلکہ نبوت کی نعمت بھی اپنے علمی اور عملی کمالات کے ساتھ تمام ہوئی چنانچہ 'اتممت علیکم نعمتی' میں اسی نعمت کا تذکرہ فرمایا جو کہ آپ کے خلق عظیم کا دوسرا نام ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی

میں قدرت کاملہ نے جمال و جلال کے سارے محاسن جمع فرما کر خالق کے کمال کا خصوصی ماڈل بنا دیا ۔ اور پھر اس صورت گری کا اعلان ' رضیت لکم الاسلام دیناً ' سے کیا ۔ کہ یہی دین ہے اور اسی کو اختیار کرنے میں رب کی رضا ہے ۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں نبی اکرم کا ارشاد ہے کہ

'ان اللہ حف الا سلام بمکارم الاخلاق و محاسن الاعمال'

یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ نے اسلام کو اچھے اخلاق اور خوبصورت اعمال سے محیط فرمایا ہے ۔

ایک اور روایت میں یوں فرمایا 'ان اللہ یحب معالی الاخلاق و یبغض سفسا فہا ' کہ یقیناً اللہ بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور گھٹیا کو ناپسند کرتا ہے ۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ دین اور ادب کو ایک ہی شئی قرار دیا جیسا کہ فرمایا «لا دین لمن لا ادب لہ» جس کے پاس ادب نہیں اس کے پاس دین بھی نہیں ہے ۔

خلق عظیم والے خلاصۂ آدمیت ہیں : رب تعالی نے نبی اکرم کو خلق عظیم کے مرتبہ جلیلہ پر فائز فرمایا اس لئے کہ آپکی ذات خلاصہ آدمیت ہے ۔ اسواسطے چننے والے نے کائنات میں سے آدم علیہ السلام کو چنا آدمیت میں ابراہیم خلیل اللہ کو چنا اولاد خلیل سے اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو بنی کنانہ میں سے مضر کو اور مضر کے خاندان میں سے قبیلۂ قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا جیسا کہ خود آپ کا ارشاد ہے ۔ 'انا خلاصۃ العرب العرباء' کہ میں قبائل عرب کا خلاصہ ہوں ۔

نیز فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر عبد اللہ تک اور اماں حوا سے لیکر اماں آمنہ تک جن پشتوں اور بطون میں میری ذات آئی اور میرا نور روح بن کر آیا اللہ نے اُن کو برائی اور بد کرداری سے پاک رکھا ۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بطن میں تھے مجھ پر عجیب حالت طاری

تھی ۔ وجود میں خوشبو تھی ۔ ڈکار عجیب آتے تھے ۔ طبعیت میں ایک کیف تھا ۔ پسینے میں خوشبو تھی اور کوئی بار نہیں تھا ۔ آنکھوں کا عجیب انداز جیسے کہ سرمہ ہو راتوں کو اچھے اچھے خواب دیکھتی تھی ۔ نیند بھی خوش کن تھی ۔ ایک رات سو رہی تھی کہ آواز آئی ۔

بشریٰ لک یا آمنة فانک حملت بسید الاولین والاخرین وا ذا ولدت سمه محمد کہ اے آمنہ تجھے مبارک ہو کہ تو اس فرزند کی ماں بننے والی ہے جو کہ آنیوالوں اور گذرے ہوؤں کا سردار ہو گا ۔ جب تو بچے کو جنم دے تو اسکا نام محمد رکھنا ۔ اسی لئے آنحضرت کا ارشاد ہے کہ ' انادعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورؤیا امی ' کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں ۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

<u>آپکی آمد جہانوں کیلئے بہار ہے</u> : آپ کی ذات ستودہ صفات دونوں جہاں کیلئے نہ ختم ہونے والی بہار ہے ۔ آپ تشریف لائے تو جہانوں میں رونق پیدا ہوئی بجھے بجھے دل شگفتہ اور ترو و تازہ ہوئے ۔ یاس و ناامیدی کی گھٹائیں چھٹ گئی ۔ اور ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر روشن مستقبل کی داغ بیل ڈالی گئی ۔

لنا شمس وللآفاق شمسٌ — شمسی خیرٌ من شمس السماءِ
فان ھُذا لشمس تطلع بعد فجر — وشمسی تطلع بعد العشاءِ

<u>بہترین نمونۂ عمل</u> : ان سب اعلیٰ مراتب پر فائز کر کے حکم دیا کہ یہ اعلیٰ پائے کا انسان تمہارا پیشوا اور رہنما ہے ۔ اس کی پیروی کرو ۔ کیونکہ

اسی میں سب کی فلاح ہے ۔ چنانچہ فرمایا کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب)

تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ ہے ۔

اور اس کے ساتھ آپ کے دل میں اپنی امت کیلئے فراواں محبت پیدا فرما دی کیونکہ آپ اس کیلئے بے حد حریص ہیں کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے ہر نقصان سے محفوظ رہیں ۔ اور فلاح پا جائیں ۔ جیسا کہ فرمایا ۔ کہ

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم ۔

تمہارے پاس خود تم میں سے ایسا رسول آیا ہے ۔ جسے ہر وہ چیز شاق گذرتی ہے ۔ جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہے جو تمہاری فلاح کا حریص ہے اور اہل ایمان کیلئے نہایت شفیق و رحیم ۔

نیز آپ اللہ کے فضل و کرم سے نہایت ہی نرم خو اور رحمدل ہیں کہ درشتی کرنے کی بجائے ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے ہیں ۔ ارشاد خدا وندی ہے ۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک (آل عمران : ۱۵۹)

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم اُن کے ساتھ نرم ہو ورنہ اگر تم زبان کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو پھر سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے ۔ اور کیوں نہ ہو آپ تو تمام جہانوں کیلئے رحمت کا سامان ہیں ۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین اے محمد ہم نے تم کو تمام عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ۔

حضور انور کا منصب عالی : عظمت والے شرافت والے نبی اکرم کو اوصاف حمیدہ کی ان تماتر عظمتوں کے ساتھ اس مقصد کیلئے مبعوث فرمایا کہ وہ

عملی زندگی میں انسانوں کے بیچ نیکی کا ایک فیشن رائج فرما دیں ۔ اور معاشرہ کو خدا کے سوا دوسروں کی عائد کردہ پابندیوں سے آزادی دلائیں تاکہ 'ولقد کرمنا بنی آدم' کے مصداق انسانیت کی شرافت اور وقار بحال ہو جائے ۔ اور زندگی میں ایک خدا کی بندگی کا نظام قائم ہو ۔ اس مقصد کے حصول کیلئے حضور انور کو بھیجا کہ وہ معلم اخلاق کی حیثیت سے اپنا رول ادا کریں تاکہ کائنات مکارم اخلاق کا گہوارہ بن جائے ۔ اسی لئے فرمایا

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق انما بعثت معلما علمنی ربی فاحسن تعلیمی ادبنی ربی فاحسن تأدیبی (مسلم بیهقی)

بلاشبہ مجھے بھیجا گیا کہ میں اچھے اچھے اخلاق کی تکمیل کروں ۔ نیز مجھے معلم بنا کر بھیجا کہ میں اپنے رب کا متعلم ہوں ۔ جس نے خود مجھے اچھی تعلیم دی ۔ اور اس نے مجھے ادب سکھایا اور وہ بھی بہترین طریقے سے ۔

اور پھر فرمایا کہ اخلاق کا یہ معلم اپنے مضمون کا سپشلسٹ ہے کہ اسمیں اسکا کوئی ہمسر نہیں ۔ اور ایسا یکتا ہے کہ آسے اس مضمون کے ہر پہلو پر استادانہ اتھارٹی حاصل ہے ۔ جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ۔

قد جمع اللہ لہ السیرۃ الفاضلۃ وعلمہ جمیع محاسن الاخلاق

کہ رب تعالیٰ نے آپکی ذات اقدس میں اعلیٰ درجہ کی سیرت جمع فرما دی ہے اور آپکو بہترین اخلاق کی تعلیم دیدی ہے

نیز آپ نے خود اعلان فرما دیا کہ معلم اخلاق ہونے کی حیثیت سے مجھ میں ایک معیاری معلم کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں ۔ کہ میں نرم خوئی سے سراپا رحمت اور شفقت کے ساتھ تعلیم سے عہدہ برآ ہوتا ہوں ۔ نہ کہ درشت خوئی اور سختی سے ۔ اس لئے فرمایا :

'انما بعثت رحمۃ ولم ابعث لعانا' کہ میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں نہ کہ لعنت بھیجنے کیلئے ۔

رب تعالیٰ کا احسان عظیم : اس لئے رب العزت کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ اُس نے ایمان والوں کو نبی آخر الزمان کی امت میں پیدا فرمایا کہ جو ارفع اخلاق لیکر آیا اور جس نے درندوں کو انسانیت سکھائی ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا ہمارے اوپر رب کا بڑا انعام ہے جو ہم گنہگاروں کو غیر شعوری طور پر ملا ۔ حالانکہ بڑے جلیل القدر انبیاء کرام بھی اس نعمت سے محروم رہے ۔ یہی وہ نعمت ہے جسے خالق نے عطا کر کے مومنوں پر اپنا بڑا احسان جتلایا کیونکہ اس جہان میں سر رکھتے ہی پہلی آواز جو مومن کے کان میں پڑتی ہے ۔ وہ

اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد ا الرسول اللہ

کی آواز ہے ۔ ارشاد ربانی ہے ۔

'لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ (آل عمران : ۱۶۴)

یقیناً اللہ کا اہل ایمان پر بڑا احسان ہے کہ اُس نے ان کے درمیان خود ان میں سے ایک ایسا عظیم المرتبت پیغمبر بھیجا جو اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے ۔ اور اُن کی زندگیوں میں بنا و سنوار کرتا ہے ۔ اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

فی الواقع اللہ کا اہل ایمان پر بڑا احسان ہے کہ اُس نے اُن کے درمیان خود اُن میں سے ایک ایسا عظیم المرتبت پیغمبر بھیجا جو اُن کا اپنا ہے ۔ کہ مومن آسانی سے اُسکی انوار و برکات کا استفادہ کر سکتے ہیں ۔ اُس کے احوال اخلاق عادات اقوال و اعمال اور سوانح سے وہ بخوب واقف ہیں ۔ کیونکہ وہ باوجود معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے نہایت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اُن سے پیش آتا ہے ۔

معلم اخلاق کا دائرۂ کار : آیت بالا میں خدا وند کریم نے نبوت کے احسان عظیم کے تذکرہ کے بعد وہ دائرہ کار بھی متعین فرما دیا کہ جس میں معلم اخلاق

ہونے کی حیثیت سے نبی نہ صرف مالک کائنات کے احکامات من و عن پڑھکر سناتا ہے - اور مکارم اخلاق سے اُن کی زندگیوں کو بناتا اور سنوارتا ہے بلکہ کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر اسطرح تربیت دیتا ہے کہ وہ فضائل اخلاق کو حاصل کرتے اور رزائل سے اجتناب کرتے چلے جاتے ہیں - دراصل بعثت نبوی کا مقصد ہی ان چار عوامل کو بروئے کار لانا ہے - اسواسطے محمد رسول اللہ نے جس طرح آیات قرآنی پر مشتمل قانون زندگی کا ایک جامع ضابطۂ اخلاق جاری فرمایا اور تشنہ کاموں کیلئے علم و حکمت کے چشمے جاری فرمائے - اُسی طرح اپنے اخلاق کریمانہ سے نئے یقین و ایمان اور نئے ذوق و شوق کے ساتھ محبت و الفت پر مبنی صحبت صالحہ حسن سلوک ہمدردی و مواسات اور بر و صلہ کے حقیقی مناظر قائم فرمائے تاکہ ایمان والوں کو ایک خدا کی بندگی کی خاطر تقویٰ اور خشیت الٰہی پر مبنی دعا اور توبہ کی توفیق کاملہ حاصل ہو جائے - چنانچہ الحمد اللہ صاحب خلق عظیم کی مساعی جمیلہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ اخلاق حمیدہ کی بنیاد پر وہ مثالی معاشرہ اور حقیقی دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کے زرین دور کا نام دیا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام ان ہی چاروں شعبوں کے کامل ترین نمائندے اور مثالی نمونہ تھے - اگر ان چار عوامل پر منحصر اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کو نمایاں اور اجاگر دیکھنا ہو تو صحابہ کو دیکھ لیا جائے - صحابہ کی زندگیاں ہر قسم کی انسانی آلائشوں اور شرک و معصیت سے اسطرح پاک و صاف تھیں کہ جیسے اُن کے نامہ اعمال کی تختیوں کو مانجھ کر صقیل کر دیا گیا ہو - اور یہ بات صرف معلم اخلاق کے دائرہ کار میں آپ کی صحبت اور خصوصی توجہ سے ہی باذن اللہ حاصل ہو سکتی ہے -

ان حقائق کے پیش نظر چار چیزیں معلم اخلاق کے دائرہ کار کو متعین کرتی ہیں اور وہ درج ذیل ہیں :

۱ - تلاوت آیات : اللہ کے فرامین اور ارشادات کو جوں کا توں سنا دینا -

۲ - تزکیہ نفس : لوگوں کے اخلاق اور انکی زندگیوں کو منکرات و رزائل ، بری رسموں اور برے طریقوں سے پاک کرنا - اور ان کے اندر اچھے اوصاف

پاکیزہ اخلاق اور صحیح طریقوں کو نشو و نما دینا ۔

۳ ۔ تعلیم کتاب : لوگوں کو خدا کی کتاب کا صحیح منشاء اور مدعا سمجھانا اور ان کے اندر ایسی بصیرت پیدا کرنا کہ وہ کتاب کی اصل روح تک پہنچ سکیں ۔

۴ ۔ تعلیم حکمت : آن کے سامنے مکارم اخلاق محاسن اعمال کا ایسا عملی نمونہ پیش کرنا کہ انہیں حکمت سمجھ میں آ جائے جس سے وہ آسانی سے زندگی کے تمام وسعت پذیر پہلوؤں کو کتاب اللہ کے مطابق ڈھال سکیں ۔

******

حکیم انسانیتؐ

مولنا کفایت حسین نقوی*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم
یتلو علیھم آیاتہ ویز کیھم ویعلمھم
الکتٰب والحکمۃ وان کانو امن قبل لفی
ضلٰل مبین

حضرات محترم !

چودہ صدیاں قبل پوری دنیا پر کفر و ظلمت کے گھرے بادل چھائے ہوئے تھے کائنات میں ہر شے کی فراوانی تھی اگر ناپید تھی تو صرف انسانیت انسان تو تھے مگر انسانیت نہ تھی آدم ذاد تو تھے مگر آدمیت عنقا تھی ۔ اشرف المخلوقات گمراہی کی عمیق غار میں پڑا اپنی شرافت کھو کر حیوانیت کی حدوں پر پہنچ چکا تھا عقل انسانی پر ہوا و ہوس کا قبضہ تھا خواہشات نفسانی کا راج تھا ۔ انبیاء ماسبق انسانیت کا جو درس دے کر گئے تھے وہ قصہ پارینہ بن چکا تھا ۔ انسان انسان کے سامنے سجدہ ریز تھا وہاں تو خالق کا نام لینا ناقابل معافی جرم بن چکا تھا ۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ خالق کا تصور ذھن انسانی سے محو ہو چکا تھا ۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس وقت دنیا کے ہر دو حصوں یعنی بحر و بر پر فساد برپا تھا ۔ تاریکی ہر گوشہ ہستی پر محیط تھی ۔ حیات انسانی ظلمت و فساد اور جمود و تعطل

*رکن اسلامی نظریاتی کونسل ، آزاد کشمیر ۔

کا شکار ہو جائے تو وہ انسان پر بارگراں بن جاتی ہے اور قلب انسانی خوف و حزن کی اذیتوں میں مبتلاء ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ جو انسان کا اللہ یعنی معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود بھی ہے اور رب رحیم بھی اس نے دنیا کی تاریکی کو روشنی میں اور دلوں کے حزن اور خوف کو طمانیت و مسرت میں بدلنے کے لئے جہاں سب سے زیادہ گمراہی تھی حضور ختمی مرتبت کو رحمت ابدی کا پیکر اور معلم انسانیت بنا کر بھیجا چنانچہ ارشاد ہوا ۔

اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا وہ رسول ان کو اللہ کی آیات سناتا ہے اُن کو پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے جبکہ رسول کے آنے سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلاء تھے ۔

سورہ جمعہ کی اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی بعثت کے دور کی حالت بیان فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ وہ کتنا پر آشوب دور تھا ۔ حضور تاریخ کے ایسے دور میں مبعوث ہوئے جبکہ دنیا کے تین بڑے مذاہب عیسائت یہودیت اور ہندو مت میں سے عیسائت رہبانیت کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی اور عیسائت نے اپنے آپ کو پیچیدہ شرعی بحثوں میں الجھا لیا گیا ۔ مورخ گبن کے الفاظ میں

«بت پرستی کے خاتمہ کے بعد عیسائیت کے پیرو امن و امان اور تقویٰ و طہارت کی فضا میں اپنی واحد کامیابی سے لطف اندوز ہو سکتے تھے لیکن فتنہ و فساد اُن کی طبیعتوں میں رچا ہوا تھا ۔ اور انہیں اپنے بانی مذہب کے قوانین اور احکام کی اطاعت کی اتنی فکر نہ تھی جتنی اس بات کی تحقیق کی کہ اس کی فطرت کیا تھی»

عیسائی جو مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ ان میں سے ہر فرقہ جناب عیسیٰ کی پیدائش و تخلیق کے متعلق مختلف خیال رکھتا تھا ۔

دوسری طرف یہودیوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ہر پیغمبر کی نافرمانی کی وہ سر کش لوگ تھے ۔ اُن کے اپنے ہی علماء نے اپنی مذہبی کتاب کی

مختلف تاویلیں کیں ۔ تیسرے ہندو مت کو لیجئے انہوں نے ذات پات کی تفریق پیدا کر کے معاشرے میں بگاڑ پیدا کر رکھا تھا ۔

غرضیکہ حضور کی بعثت کے وقت انبیاء ماسبق کی تعلیمات کو یا تو بھلا دیا گیا تھا یا اُن میں بگاڑ پیدا کر دیا گیا تھا ۔ پورے عالم میں گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا تھا ۔ عرب کا یہ حال تھا کہ وہاں نہ کوئی ضابطہ حیات تھا ۔ اور نہ وہاں کے رہنے والوں میں اطاعت امیر کا تصور تھا ۔ وہ خود تراشیدہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کی خوشنودی کیلئے انسانوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا ۔ خانہ کعبہ میں ایک نہیں دو نہیں بلکہ تین سو ساٹھ بتوں کو سجا رکھا تھا ۔ قمار بازی شرابخوری غارتگری اور ہر قسم کی فحاشی و عریانی پر فخر کیا جاتا تھا ۔ دشمن سے بدلہ لینے کیلئے نسل در نسل ایک دوسرے کو وصیت کرنا زندگی کے معمولات میں شامل تھا ۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور انہیں مار ڈالنے کی رسم عام تھی ۔

وہ حرم میں ناچتے کودتے داخل ہوتے دن بھر کے کام سے فارغ ہو کر رات کو کسی بھی جگہ جمع ہو جاتے اور پھر داستان گو رزم و بزم کے جھوٹے افسانے سنا کر لوگوں سے داد لیتے ۔ غرض ہر طرف جنگل کا قانون جاری تھا ۔ دھرتی کا گوشہ انسانوں کے لہو سے لالہ زار بنا ہوا تھا ۔ چنانچہ آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ۔ اسلئے حضور سرور کائنات کو حکم ہوتا ہے کہ یہیں سے تبلیغ کا آغاز کریں عرب کا انتخاب اسلئے نہیں ہو رہا کہ رسول عربی ہیں بلکہ انتخاب اسلئے ہو رہا ہے کہ عرب سب سے زیادہ بے راہ روی کا شکار ہے ۔

حضرات محترم !

میں مفصل تاریخ پیش نہیں کروں گا ۔ صرف ایک جملہ سے مدد لوں گا کہ حضور سرور کائنات انسان کو انسان تب بنا رہے تھے ۔ جب باپ بیٹی کے لئے باپ نہیں قاتل تھا ۔ بس اسی ایک فقرے میں عرب کا مزاج پہچانیئے ۔ پیغمبر اس

عرب کو انسان بنانا چاہتے ہیں جو باپ ہونے کے بجائے قاتل ہے ۔ حضور انقلاب یہ لانا چاہتے ہیں کہ جس کے سینے میں قاتل دل ہے اسی کے سینے میں دل وہی ہے مگر جذبہ اتنا بدل جائے کہ اپنی بیٹی تو کیا جب دوسرے کی بیٹی نظر آئے تو احترام کرنے پر تیار ہو جائے ۔

ذرا خیال کیجئے کتنا مشکل انقلاب پیغمبر کو لانا تھا ۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے مگر قابل غور بات یہ ہے ۔ کہ حضور نے اپنی تعلیمات کے ذریعے خونخوار عرب کو عدالت صفت انسان بنا دیا ۔ یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ جو بیٹی کا گلا دباتا تھا اسے زندہ درگور کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا وہ انسان کا لحاظ کرنے لگا اور وہ خدا سے ڈرنے لگا ۔ لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا ۔ پیغمبر نے دین سختی یا لالچ کے ذریعہ نہیں پھیلایا بلکہ اصول و نظریات پیش کئے جو کہا اس پر خود عمل کیا جو بات کو سمجھ جاتا وہ ایمان لے آتا اور برائی کو ترک کر دیتا اور اچھائی کو اختیار کر لیتا ۔ سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ پیغمبر نے یہ اصول پیش کیا کہ برائی طاقت یا سختی کے ذریعے نہیں رک سکتی بلکہ وقتی طور پر دب جاتی ہے ۔ اور جب طاقت کمزور ہوئی برائی سر اٹھانا شروع کر دیتی ہے ۔ پیغمبر نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ برائی کے راستے کی تمام رکاوٹیں ، ہٹا دی جائیں اور انسان کو اتنا بدل دیا جائے کہ وہ برائی کرنے پر قادر ہو مگر برائی کے قریب نہ جائے ۔ انسان کی فطرت بدکو تبدیل کر دیا جائے یہ فلسفہ پیغمبر نے اس طرح پیش کیا کہ برائی کو مٹانے سے پہلے یہ غور کیا جائے کہ برائی پیدا کیونکر ہوتی ہے ۔ ہادی برحق نے فرمایا کہ جب تک برائی کا سبب نہ تلاش کیا جائے... کہ برائی کیوں ہوتی ہے برائی نہیں مٹے گی حکیم انسانیت نے فطرت انسانی کا مطالعہ کیا کہ ہر انسان کے مزاج میں ایک فطری جذبہ ہے ۔ وہی جذبہ جب غیر معتدل اور بے مہار ہو جاتا ہے تو برائیوں کا سبب بنتا ہے ۔ انسان کا وہ فطری جذبہ کیا ہے وہ جذبہ یہ ہے کہ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ جو اسے ملے وہ لے لےجو کچھ وہ حاصل کر سکتا ہے حاصل کرے جس طرح ہو سکے لینے کی کوشش کرے اس فطری جذبے سے

کوئی فرد بشر خالی نہیں ۔ انسان لینا چاہتا ہے جب تک سچ سے ملتا ہے تو سچ بول کر لیتا ہے ۔ جب سچ سے نہیں ملتا تو جھوٹ بولتا ہے ۔ یعنی حق سے ملتا ہے تو حقدار بن کر لیتا ہے اور جب حق سے نہیں ملتا تو ناحق لیتا ہے ۔ غرض یہ کہ ہر برائی کے پیچھے یہ لینے کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے ۔

دنیا میں ساری برائی کی جڑ یہ لینے کا جذبہ ہے ۔ مگر مذہب نے اسی زہر سے تریاق تیار کیا ۔ سنکھیا یقیناً زہر ہے مگر حکیم اسی زہر سے مریض کیلئے دوا بنا دیتا ہے حکیم انسانیت معلم انسانیت محسن انسانیت حضور سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جذبہ کی اصلاح کرکے انسانیت کے امراض کا علاج کیا اور بتلا دیا کہ امن تب ہی قائم ہو سکتا ہے معاشرے سے بگاڑ تب ہی ختم ہو سکتا ہے ۔ جب لینے والے گھٹیں گے اور دینے والے بڑھیں گے ۔ لینے کے جذبہ کا اضافہ فساد کا سبب اور دینے کے جذبہ کا اضافہ امن و آشتی کا مظہر ہے ۔

حضور سرور دو عالم نے جاہل اور خونخوار عرب کو اسلام کے ذریعے اگر انسان بنایا تو فلسفہ یہی تھا کہ لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدل دیا جائے ۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ دنیا بس یہی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ ایک اور دنیا ہے ۔ جس کا نام آخرت ہے ۔ آخرت کا تصور اگر نفی کر دیا جائے تو دنیا ظلم و جور سے بھر جائے کیونکہ انسان یہی سمجھے گا کہ جو ملنا ہے وہ یہاں ہی ملنا ہے لہذا ہر طرح سے سمیٹ لو مگر رسول رحمت نے لوگوں کو بتایا کہ یہ جہاں فانی ہے ۔ اور یہاں کی ہر شے مٹنے والی ہے باقی اگر ہے تو وہ آخرت اور اللہ تعالیٰ یہ وعدہ کرتا ہے ۔ کہ اگر یہ فانی دنیا تم اس کے حکم کے مطابق بسر کروگے تو باقی رہنے والی آخرت تمہیں دوں گا ۔

حضرات گرامی !

انسان کو جب یقین ہو جائے کہ یہ جہاں کم تر ہے اور آخرت بہتر ہے یہ دنیا دے کر آخرت کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا ۔ لہذا انسان اب یتیم پر خرچ بھی کر سکتا ہے بیوہ کی داد رسی بھی کر سکتا ہے یہ ماں باپ کی خدمت

بھی کر سکتا ہے ۔ پڑوسی کی مدد بھی کر سکتا ہے ۔ انسان واقعی کسی کو کچھ نہیں دیتا لیکن خدا کے وعدہ کے بھروسے پر کمتر دے رہا ہے تاکہ بہتر پا سکے ۔ یہ پیاسے کو پانی پلا رہا ہے تاکہ آب کوثر سے سیراب ہو سکے ۔ بھوکوں کو کھانا کھلا رہا ہے تاکہ جنت کی نعمتوں سے مستفید ہو ۔ یہ ہے وہ فلسفہ حیات اسلام جسے جاہل عرب کے سامنے پیغمبر اسلام نے پیش کیا ۔ اور اسے مسلمان بنایا ۔ آپ نے عرب کے اس انسان کی حالت بدل دی جو انسانیت سے بہت دور ہو چکا تھا ۔ غرض کے بندے کو بے غرض بنا دیا ۔ وہ اب اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے لگ گیا آپ کی تعلیمات نے ظلم کو عدل سے بدل دیا ۔ محمود و ایاز کا فرق باقی نہ رہا ۔ کبر و نخوت کا بت پاش پاش ہو گیا ۔ سنگدلی رحمدلی سے بدل گئی سب آپس میں شیر و شکر ہو گئے ۔ جو ایک دوسرے کی صورت سے بیزار تھے وہ یک جان دو قالب بن گئے قرآن کریم میں اس اتحاد یگانگت کو انعام خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے واذکروا نعمت اللہ علیکم اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً اور اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور تم اس کے کرم سے بھائی بھائی ہو گئے

حضرات محترم !

یہ حکیم کائنات کی تعلیمات کا ہی فیض تھا کہ ایک جنگ میں جب بہت سے افراد زخمی ہو گئے تو زخمیوں کو پانی پلانے کیلئے جب سقہ مشک لے کر پہنچا تو ایک شخص کو پانی پلانا چاہا تو پاس ہی سے العطش کی آواز آئی تو پہلے نے دوسرے کیطرف اس کو بھیج دیا ۔ دوسرے کے پاس جب پانی لیکر پہنچا تو تیسرے نے پانی کیلئے کہا ۔ تو دوسرے نے تیسرے کیطرف اس کو بھیج دیا ۔ اور تیسرے نے چوتھے کیطرف حتیٰ کہ سب پیاسے دنیا سے رخصت ہوئے غور کیجئے کہ سب پیاس کی شدت سے تڑپ رہے تھے مگر ہر ایک نے دوسرے کی پیاس کو اپنی پیاس پر ترجیح دی ۔ یہ تھا دینے کے جذبے کا کمال جسے اصطلاح عام میں ایثار کا نام دیا گیا ہے ۔

حضرات محترم !

یہی وہ درس تھا جس کے ذریعے پیغمبر انسانیت نے انسان کو اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا اسے تحت الثریٰ کی پستیوں سے اٹھا کر اوج ثریا کی بلندیوں پر فائز کیا عرب کے بادیہ نشینوں کو مہذب سوسائٹی کا فرد بنا دیا ۔ دنیائے علم و تہذیب کیلئے باعث رشک بنا دیا ۔ حضور نے قیامت تک انسان کیلئے راہ حق کی رہنمائی فرما دی انسان کو صراط مستقیم پر گامزن رہنے کیلئے آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن حکیم اور آپ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا کافی ہے ۔ آپ مکارم اخلاق کا مکمل اسوہ حسنہ تھے جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ بے شک تمہارے لئے رسول کی پیروی بہتر ہے ۔ پھر مزید فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ جو شخص رسول کی فرماں برداری کرے گا بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی ۔ حکیم انسانیت کے ایک مختصر سے عرصہ میں لوگوں کے دل بدلے دماغ بدلے روحیں بدلیں عادتیں بدلیں نظام حیات بدلا پوری تاریخ میں ایک متنفس بھی آپ جیسا دکھائی نہیں دیتا آپ مفکر ہیں حکیم ہیں فصیح ہیں بلیغ ہیں رسول ہیں مقنن ہیں مجاہد ہیں مصلح ہیں فاتح ہیں خیالات کے فاتح ہیں معقول ترین عقائد کے ہادی اور مبلغ ہیں ۔ انسانی عظمت کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے کوئی معیار کوئی مقیاس بھی تجویز کر لیا جائے ہر معیار پر عظیم ترین ہیں ۔

اگر ہم آج بھی آپ کی سیرت پر عمل پیرا ہو جائیں تو یہ دنیا مثل جنت بن سکتی ہے ۔ اور الحمد للہ مملکت خدا داد پاکستان میں اس کے قیام کے چونتیس برس بعد اب احیائے اسلام کا دور شروع ہوا اور اللہ اور اس کے نبی کے قوانین کے مزاج کی بات ہو رہی ہے لہذا بحیثیت مسلمان ہمارا سب کا فرض ہے کہ ہم اس سعی جمیلہ میں شریک ہوکر معلم انسانیت کی تعلیمات کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کا مرکز اس ملک کو بنائیں ۔

خدائے بزرگ برتر ہمیں محسن انسانیت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ (آمین)

******

اخلاقی تربیت کا نبوی منہاج

ڈاکٹر الٰہی بخش جار اللہ*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ھی احسن (۱)

کہ بلائیے اپنے رب کی راہ کی جانب حکمت عملی سے ' اچھی نصیحتوں کے ذریعے اور ان سے بحث کیجئے اچھے پیرائے میں۔

بارشاد:

انما بعثت معلماً (۲)

آپ معلم اخلاق ہی ہیں ' اور آپ سے پہلے بھی اس کرۂ ارضی پر بیشمار معلم اخلاق گذرے ہیں: وہ بھی جنکو خلاق فطرت نے انسان کا خمیر گوندھنے سے بہت پہلے اس مقام و مرتبے سے سرفراز فرمایا تھا (۳) اور وہ بھی جنکو تخلیق ' تو عام انسانوں کی طرح کیا گیا تھا مگر وہ انما اوتیتہ علی علم عندی ' (۴) کے بل بوتے پر شدہ شدہ شہیدوں میں شامل ہو گئے۔ ان کے متعلق تو حکیم الامت علامہ اقبال یوں کہہ گئے ہیں۔

نہ دیا نشان منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے کہ تو وہ نشین نہ راہی (۵)

---

*ایسوسی ایٹ پروفیسر و صدر شعبہ عربی ' اسلامیہ یونیورسٹی ' بھاولپور۔

اوّل الذکر ہستیوں نے بالیقین اپنے اپنے دور میں پیغمبرانہ منہاج تربیت کے تحت بڑی بڑی قوموں کو زیور اخلاق سے مزین کیا ۔ مگر کیا کیا جائے کہ وہ بھی ابھرے اور ایک عرصے تک لوگوں کو اپنی سیرت و تعلیمات سے منور کرنے کے بعد زمانے کی عمیق تر گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تہہ نشین ہو گئے ۔

آپ حضور انسانیت کے محسن اعظم و آخر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے ۔ آپ نے نوع انسانی کو زندگی کے ہر زاویئے میں عظیم احسانات سے نوازا سیاست ، معاشرت ، معیشت ، روحانیت اور اخلاق غرضیکہ انفرادی اور اجتماعی ہر شعبۂ زیست میں آپ نے انسانیت کو روشن درخشاں اور تاباں اسوۂ حسنہ دیا ۔ آقاء و غلام ، حاکم و محکوم ، بائع اور فروختکار ، تاجر و صنعتکار ، آجر و اجیر ، امیر و غریب الغرض انسانوں کے ہر طبقے کو ایسے احسانات سے نوازا ہے اور تربیت اخلاق کا ایسا مؤثر اور دلنشین منہاج اختیار کیا ہے کہ انسانیت کی حسین و جمیل قدوقامت پر آپ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کی سیرت طیبہ ایک خلعت دوام کی طرح مزین ہو گئی ہے اور اسکی چاشنی انسانیت کی رگ و پے میں یوں رس بس گئی ہے جیسے فطرت میں حسن و جمال ، پھولوں میں نزاکت اور عطر بیزی ، آنکھوں میں نور ، دل میں سرور اور جسم میں روح :

آپ حضور سے پہلے انبیاء کرام نے یقیناً پیغمبرانہ منہاج تربیت کے اصولوں کے مطابق معاشرہ کی اصلاح کی ہو گی کیونکہ انبیاء کی شریعتوں کے بنیادی اصول یکساں تھے (۱۳) لیکن چونکہ آج ہمارے سامنے ان کی تعلیمات اور ان کے اسوۂ حسنہ کی تفصیلات نہیں ہیں اسی لئے ہم ان کے منہاج تربیت پر بحث کرنیسے قاصر ہیں ۔ کچھ غیر مکتفی اشارات ملتے ہیں تو ان کا جب آنحضور کے منہاج سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری (۱۴)

آپ حضور کی بعثت بھی انسانوں پر لازوال احسان ہے ۔ ہمارا آپ کے دامن سے وابستہ ہونا بھی رب قدوس کا احسان ہے اور یہ بھی احسان ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ کے تماتر گوشے اور آپ کی تعلیمات کی تمام تفصیلات بنام و کمال محفوظ ہیں ۔ اس لئے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم ایسے اصولوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو آپ کے تربیتی منہاج کو متعین کرتے ہیں ۔ ان میں سے چند اہم اصول درج ذیل ہیں :

۱ ۔ زاویۂ نگاہ : ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرد کو معاشرے کا بہترین عنصر اور مفید رکن ثابت کرنے کیلئے فرد کی بحیثیت فرد تربیت کرنیکو بنیادی اہمیت دی ہے ۔ اس مقصد کو حاصل کرنیکیلئے فرد کو عقیدہ کے جامع نظام کے تحت ذہن نشین کر دیا گیا ہے کہ انسان کی جدوجہد سے نفس عمل مطلوب نہیں ہوتا ۔ انسانی اعمال و افعال کی بجا آوری اس لئے مطلوب ہوتی ہے کہ ان کی ایک خاص غرض و غایت ہے ۔ یہ غرض و غایت نہ تو مادی ہے اور نہ ہی ذاتی بلکہ ان سے ماوراء ایک اعلیٰ واضع مطمئع نظر ہے ۔ یہ مطمئع نظر اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنا ہے ۔ انسانی تاریخ سے علی سبیل اور الاستقراء یہ بات ثابت ہو چکی ہے ایک انسان کا مقصد جوں جوں پست ہوتا جاتا ہے اس کا عمل دوسرے انسانوں کیلئے اور بالآخر خود اس کیلئے نقصان دہ اور مضر ہوتا جاتا ہے اس کے برخلاف جوں جوں اس کا مقصد بلند ہوتا جاتا ہے اسکے عمل کی افادیت بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ جب اس کا زاویہ نگاہ شخص اطاعت رسول اور رضاء الٰہی رہ جا جاتا ہے تو اس کا عمل ذاتی تلوشیات سے بلند ، پاکیزہ ، خالص ، متوازن ، معتدل اور سراسر مفید ہو جاتا ہے ۔ ایسے لوگوں کے مخلصانہ کاموں کی غرض و غایت قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے : انمانطعمکم لوجہ اللہ لانریدمنکم جزاء وّلا شکورا انانخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا (۳۰۱) کہ ہم جو تمکو معاشی امداد دیتے ہیں اس کا مقصد محض اللہ کی رضا جوئی ہے ہمیں آپ لوگوں سے نہ تو کسی قسم کے بدے کی طمع ہے اور نہ ہی شکریہ کی طلب ۔ ہم اپنے رب کی طرف سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بیحد اداس اور غم و غصے والا ہو گا ۔ ارشاد نبوی میں ہے :

انما الاعمال بالنیات وانما لِاِمْرء مانوی......(۳۱)

کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر انسان کو اسکی نیت ہی کا ثمر ملیگا ۔

یوں تو نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد اعمال کو اطاعت اور رضاء الہی کے زاویہ نگاہ سے کرنا ہے ۔

۲ ۔ وجوب : زاویہ نگاہ کی صحت کے بعد ایک ایسی سیرت میں جو معلم اخلاق ہے وجوب اخلاقی ایک بنیادی قاعدہ اور اساسی فکر ہے ۔ اخلاقی نظام تمامتر اس کے اردگرد گھومتا ہے اور یہ اسکیلئے محور اور مدار کا کام دیتا ہے ۔ ہرچند شرعی وجوب کے ذرائع قرآن مجید ، احادیث طیبہ ، اجماع اور قیاس ہیں ۔ یہ تو ایسے ذرائع ہیں جن سے وجوب کا علم ہوتا ہے ۔ ایک معلم اخلاق کے سامنے وجوب کے ساتھ انسانی طبعیت اور خمیر کو تعمیل کا خوگر بھی بنانا ہے ۔ نفس امارہ ہے (۵۷) اسکو لوامہ (۵۵) اور مطمئنہ (۵۹) بنانا ہے ۔ تاکہ نہ تو اپنی خواہشات کا تابعدار بنے اور نہ ہی ان اسلاف کا جو خود ہدایت پر نہ تھے ، ارشاد ہے : ولا تتبع الھوٰی فیضلک (۶۰)

مائدہ میں ارشاد ہے : فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا (۶۱)
زخرف میں اسلاف کی اندھی تقلید کا یوں ذکر ہے :
انا وجدنا آباء نا علی امۃ ، وانا علی اثارھم مقتدون (۶۲)

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کس کتاب ہدایت کے پیرو کار ہو ! تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک راہ پر پایا ، ہم تو صرف انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے ۔

بقرہ میں ارشاد ہے :
واذاقیل لہم اتبعوا ماانزل اللہ ، قالوا بل نتبع ماالفینا علیہ آباء نا ، اولوکان آباء ھم لا یعقلون شئیا وِلا یہتدون ۶۳ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ

اس حکم کی تابعداری کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو وہ کہتے ہیں ہم اس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے ۔ کہا کیا اس صورت میں بھی جب ان کے باپ دادا نہ سمجھ رکھتے ہیں اور نہ ہی راہ راست پر ہوں ؟

یہ سب وہ صورتیں ہیں جب انسان کے دل میں خوف جاگزیں نہیں ہوتا ۔ مگر جب اخلاقی تربیت سے یہ بات پیدا ہو جائے تو پھر انسانی طبیعت ، اسکے دل اور اسکے باطن کی کیفیت یہ ہوتی ہے ، ارشاد نبوی ہے :

اذا اراد اللہ بعبد خیراً جعل لہ ، واعظا من نفسہ یامرۂ وینہاہ ۶۴

کہ جب اللہ اپنے کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کا خمیر اسے راہ راست کی تلقین کرنے لگتا ہے ۔ وہ اسے اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور برائی سے باز رکھتا ہے ۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے :

و امامن خاف مقام ربہ و نہی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی

بہر حال جو کوئی اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر رہا ہو گا اور اس نے اپنے آپ کو خواہشات سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانا جنت ہے جب انسان کو یہ مقام میسر آتا ہے تو اسے تزکیہ کی ایک کیفیت نصیب ہوتی ہے ۔ اسکے باطن میں ایک نور اور جلاء پیدا ہوتا ہے ۔ انسانوں میں اپنی تعلیمات اور تنویرات سے تزکیہ کی یہ کیفیت پیدا کرنا معلم اخلاق کی صفت اور ان کا امتیاز ہے ۔

حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کرتے ہوئے رب قدوس سے آپ حضور کی بعثت کے متعلق دعا کی : ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا عیھم آیاتک و یعلمھم الکتٰب والحکمہ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم اے ہمارے پروردگار ! بھیج ان میں انہیں میں سے ایک رسول جو انپر تیری آیات کی تلاوت کرے ، اور ان کو کتاب کی اورحکمت کی تعلیم دے ، تو زبردست حکمت والا ہے ۔

۳ - تزکیہ: تزکیہ کے معنی ہیں سنوارنا ، صاف ستھرا کرنا ، پاکیزگی دینا ، جلا بخشنا ، نکھارنا ، میل کچیل دھو دینا ، وغیرہ وغیرہ ، قرآن مجید میں انہیں معنوں میں یہ لفظ مختلف شکلوں میں تقریباً ۴۵ مرتبہ آیا ہے (٦٧)

ان میں سے سورۂ النجم میں ارشاد ہے :

فلاتزکوا انفسکم ھواعلم بمن اتقٰی - ٦٨

کہ اپنے کردار کی پاکیزگی کو زیادہ بیان مت کرو ، خدا کو بہتر طور پر معلوم ہے جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ انسانی نفسیات کی ان کیفیات اور صلاحیتوں کا نام ہے جو تقویٰ کے اعمال کے سبب پیدا ہوتی ہیں - دیگر بہت سی آیات پر غور کرنے سے جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (٦٩) اس خیال کی توثیق ہوتی ہے - یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں خوش اخلاق ، انسان دوستی ، اور معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف ایک انسان خود بخود راغب ہوتا ہے انسانوں کو مستقل طور پر نیکی سے وابستہ کرنا اور برائی سے باز رہنے کا خوگر بنانا اس کے بغیر ممکن نہیں ، رسول کریم کے صحابہ کی قلبی کیفیات کا قرآن مجید یوں ذکر کرتا ہے:

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفروالفسوق واعصیان (٧٠)

کہ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی حتیٰ کہ اسکو تم اپنے دل میں بہت حسین اور دلکش سمجھنے لگے - اور تمہارے دل میں کفر ، گناہگاری اور نافرمانی سے نفرت پیدا کردی -

ہمارے نبی اکرم اور دیگر انبیاء نے انسان میں یہ اندرونی تبدیلی پیدا کرنے کیلئے عبادات کا نظام پیش کیا - تاریخ بتاتی ہے کہ یہ منہاج ہر دور میں

بیحد کامیاب ثابت ہوا ۔ ورنہ محض قانون کے شکنجے اور اسکی اندھی سخت گرفت انسان کو فرار کی راہ تلاش کرنے پر مجبور کر سکتی ہے ' ان کو خدا ترس ' فرشتہ صفت اور نیک خصال بنانے سے اس طرح عاجز ہے جیسے آنکھوں کو چھوڑ در کانوں سے دیکھنے کی کوشش کرنا یا کانوں کو بند کر کے آنکھوں سے سننے کی جد و جہد کرنا ۔

نماز کو لیجئے ' ارشاد ہے :

ان الصلوٰة تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر (۷۱)

کہ بیشک نماز بیحیائی اور بری بات سے روکتی ہے ' اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے ۔

اس آیت مبارکہ میں انسانی کردار کی تشکیل اور اسکی تطہیر میں ذکر اللہ کو بہت مؤثر قرار دیا گیا ہے نماز میں ذکر اللہ کی کیفیات نہایت کامل ہیں اسکے افکار سے انسانی دل و دماغ پر اللہ عزاسمہ کی عظمت ' کبریائی ' توحید ' اور ربوبیت کا بہت گھرا نقش بیٹھتا ہے ۔

روزے کی حکمت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے—لعلکم تتقون (۷۲)

(تاکہ تم تقویٰ کے خوگر ہو جاؤ) آنحضور نے ارشاد فرمایا : من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ و شرابہ (۷۳) یعنی جس نے قول اور فعل میں حق سے انحراف کو نہیں چھوڑا تو اسکو کھانا پینا چھوڑنے کی ضرورت نہیں حج کے باب میں ارشاد ہے : فلارفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (۷۴) کہ حج کے دوران عورت سے بیحجاب ہونا جائز نہیں ' اور نہ ہی گناہ کرنا اور نہ ہی جھگڑا کرنا ۔

زکوۃ و صدقات کے متعلق ارشاد ہے : خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا وصل علیھم ۷۵

کہ ان کے مال میں سے زکوۃ لیجئے تاکہ اس سے آپ انکو پاک کریں اور جلاء بخشیں اور انکو دعا دیجئے...........

نبوی منہاج تربیت میں تزکیہ اور تحلیہ یعنی سنوارنا اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنا دونوں بیک وقت ایک ساتھ کام کرتے رہتے ہیں۔ اخلاقی تزکیہ کے عمل کو تیز تر اور مؤثر بنانیکیلئے نبوت انکو باہمی احسان اور ایثار و قربانی کا خوگر بناتی ہے۔ جن لوگوں نے آپ نبی اکرم سے براہ راست فیض تربیت پایا ان کی کیفیات کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے :

والذین تبوعواالدار والایمان من قبلہم یحبون من ہاجرالیہم ولا یجدون فی صدورہم حاجۃ مما اوتوا ویؤ ثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصۃ ۷۶

اور جن لوگوں نے پہلے سے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی ہوئی ہے اور اللہ نے انکو ایمان میں بھی استقامت بخشی ہے وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو وطن چھوڑ کر ان کے پاس آتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی انکو دیا جائے آن کے دل میں اس سے تنگی نہیں ہوتی ' اور یہ لوگ انہیں اپنی جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں (یا یہ کہ اپنے آپ سے بھی ترجیح دیتے ہیں) اگرچہ انہیں سخت ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔

۴۔ حکمت : نبوی منہاج تربیت کا ایک اہم اصول حکمت ہے۔ حکمت کے معنی ہیں سوجھ بوجھ ' دانائی ' معاملہ فہمی ' حکمت عملی وغیرہ۔ یہ لفظ اپنے مادہ کے اعتبار سے مختلف شکلوں میں قرآن مجید کے اندر تقریباً ۲۰۶ مرتبہ آیا ہے۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ اخلاقی تربیت میں حکمت عملی اختیار کرنا ' معاملہ فہمی کو ملحوظ رکھنا اور دانائی سے کام لینا قرآنی نقطۂ نگاہ سے کس قدر اہم ہے۔ ارشاد ہے : ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلہم بالتی ھی احسن ۷۷

کہ بلائیے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت عملی سے اور بہتر نصیحت سے -

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو معلم اخلاق گذرے ہیں ان میں حضرت لقمان کو بھی قرآن مجید نے نہایت نمایاں طور پر بیان کیا ہے - اس ضمن میں ارشاد ہے :

ولقد آتینا لقمان الحکمة ان اشکر للہ ۷۸

کہ ہم نے (حضرت) لقمان کو دانائی اور حکمت کی نعمت سے سرفراز فرمایا - کہ اللہ کا شکریہ ادا کیجئے — سابقہ آیت مبارکہ میں حکمت کے ساتھ ہر موعظہ حسنہ کا ذکر اور اس آیت میں حکمت کے ساتھ شکر کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تربیت اخلاق میں حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ انذار و تبشیر سے بھی کام لیا جائے اور دونوں کا نہایت مناسب امتزاج ہو - شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اکثر موقعوں پر جہاں بھی بشیر کا لفظ یا تبشیر کا لفظ (کسی شکل میں) اخلاق ترتیب کے سیاق و سباق میں استعمال ہوا ہے وہاں نذیر کا لفظ بھی کسی نہ کسی شکل میں ساتھ ہی استعمال ہوا ہے (۷۹)

انذار و تبشیر کی ایک اہم صورت جو نبوی منہاج تربیت کا جز ہے، وہ ہے تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ (۸۰) یعنی یہ کہ تاریخ کے گزشتہ ادوار میں جن افراد یا اقوام نے عمدہ اخلاق اپنائے تھے اور اس کے نتیجے میں اس دنیا میں دنیوی ' دینی فوائد حاصل ہوئے اور آخرت میں بھی وہ اللہ کی رضامندی کے مستحق ہوں گے ان کا ذکر کر کے اچھے اخلاق کی ترغیب دیجائے -

جزاء و سزا : کا تصور بھی اسی سے متعلق ہے - خوش اخلاقی پر اللہ کی طرف سے اچھا بدلہ جزاء ہے اور بداخلاقی کے برے عواقب سزاء ہے - اسی طرح خوش اخلاقی کے عمل کے بعد اس بات کا احساس کرنا کہ کیا یہ عمل اس کیفیت اور معیار کا ہے جو اللہ کو مطلوب ہے ؟ اس میں خوف اور رجاء کا پہلو پیدا ہو

جاتا ہے - یہ رحمۃ للعالمین ہے کہ جزاء و سزاء اور امید و بیم کے ساتھ استغفار اور توبہ کا تصور بھی دیا گیا ہے -

قرآن مجید میں ارشاد ہے : قل یاعبادی الذین اسرفوا علیٰانفسہم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفرالذنوب جمیعاً (۸۳)

کہ آپ فرما دیجئے اے میرے بندے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا : اللہ کی رحمت سے نااسید نہ ہوں بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے -

ایک حدیث قدسی ہے ' آنحضور نے فرمایا :

کہ ابلیس نے کہا اے پروردگار ! میں بنی آدم کو جب تک ان کے جسم میں جان ہے برابر گمراہ کرتا رہوں گا ' اللہ عز و جل نے فرمایا کہ جب تک وہ مجھ سے مغفرت چاہتے رہیں گے میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا -

اخلاق ایک اعتبار سے حقوق العباد ہی ہیں - اس سلسلے میں آنحضور کا ارشاد ہے :

کہ کیا آپ جانتے ہیں مفلس کون ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس نہ تو نقدی ہو اور نہ ہی ساز و سامان ' آپ نے فرمایا : میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز پیش ہوگا تو اسکا نامہ اعمال نماز روزہ زکوۃ وغیرہ سے پر ہوگا - مگر اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر بہتان طرازی کی ہوگی - کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا - تو ہر ایک کو اسکے بدے اسکی نیکیاں دیدی جائیں گی - جب اسکی نیکیاں ختم ہو جائینگی تو ان کی برائیاں اسپر ڈال دی جائینگی حتیٰ کہ اسکو جہنم میں ڈال دیا جائیگا -

حکمت اور تربیت اخلاق میں دانائی سے کام لینے کے سلسلے میں اہم پہلوتیسیر ہے - اور توسط و اعتدال ہے اس کا تعلق معلمین اخلاق سے بھی ہے

کہ وہ اخلاقی تعلیمات کی ایسی تشریح پیش کریں جسمیں آسانی ' سہولت ' برکت اور بشارت کا پہلو موجود ہو ۔ اسی طرح دین میں غلو ' تشدد ' سختی سے بچین اور میانہ روی سے کام لین اسی طرح اس کا تعلق خود صاحب خلق سے بھی ہے کہ اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان پہلوؤں کو خصوصی طور پر مدنظر رکھے ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (۸۷)

کہ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے ۔ تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا ۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے : (الف) خیر الامور اوسطہا (۸۸) کہ بہتر معاملات وہ ہیں جنمیں توسط اور اعتدال مدنظر ہو (ب) ان اللہ ارسلنی مبلغا و لم برسلنی متعنتاً (۸۹) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبلغ بنا کر بھیجا لوگوں پر سختی کرنیکیلئے نہیں (ج) ان الدین یسر ولن لیشادالدین احد الاغلبہ فسددوا وتاربوا وبشروا (۹۰)

کہ دین آسان ہے ۔ جب دین میں کوئی سختی کرتا ہے تو دین اسپر غالب آ جاتا ہے ۔ راہ راست پر رہو ۔ اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دو ۔ لوگوں کو خوشخبری دو ۔

تربیت اخلاق کے سلسلے میں یہ بھی نبوی منہاج کا ایک اہم حصہ ہے کہ مثالی کردار کی اقتداء کی جائے ' قرآن مجید اسے اسوۂ حسنہ بھی کہتا ہے ۔ اس طرح کرنیسے انسان کو حوصلہ نصیب ہوتا ہے ۔ وہ یقین و اعتماد سے کام کرتا ہے ۔ قرآن کی پہلی سورت سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہے :

اھدناالصراط المستقیم ' صراط الذین انعمت علیہم غیرالمغضوب علیہم ولا الضالین (۹۲)

...

کہ اے اللہ بتلا ہمکو سیدھی راہ ، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا ، جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے ۔

حضرت ابراہیم کے بارے میں ارشاد ہے :-

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ (۹۳)

کہ تمہارے لئے حضرت ابراہیم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور ان لوگوں کی زندگی میں بھی جو آپ کے اصحاب تھے

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالے سے ارشاد ہے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (۹۴)

کہ رسول اللہ (ص) کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے ، ہر اس شخص کیلئے جسے اللہ کی رضامندی اور آخرت کی کامیابی مطلوب ہے ۔ اور اسے ذکر الہی سے شغف ہے ۔

نبوی منہاج تربیت میں اس بات کو بہت اہمیت حاصل ہے کہ قول و فعل کی

یکسانیت ہو ، معلم اخلاق جو کچھ کہے سب سے پہلے اسپر خود عمل کرکے دکھائے ۔ انبیاء تو سب کے سب اس معیار پر پورے اترتے تھے آنحضور کو شرف حاصل ہوا کہ آپ بعثت سے پہلے ہی پورے عرب میں الصادق ، الامین کے لقب سے پکارے جاتے تھے ، قرآن مجید نے آپ کی زبانی آپ کی نبوت کی ایک اہم دلیل کے اس تاریک تر ماحول میں آپ کے اخلاق کی درخشاں اور روشن تر مثال کو قرار دیا ہے ، ارشاد ہے :

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلاتعقلون (۹۵)

کہ میں تم میں اس سے قبل ایک زندگی گذار چکا ہوں ، کیا تم عقل و آگہی سے کام نہیں لیتے

ارشاد ہے :وانک لعلیٰ خلق عظیم (۹۶) کہ بلاشبہ آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں انبیاء کے علاوہ بھی کچھ لوگوں نے معلم اخلاق ہونے کا دعویٰ کیا ، ہر چند ان حکماء اور فلسفیوں کی سخن طرازی اور نکتہ پروری سے ایک دنیا کو حیرت تھی مگر ان کی عملی زندگی ایک معمولی بازاری انسان سے ذرہ بھر بلند نہ تھی ۔ لوگوں کو روشنی سے متعارف کرنیکے دعویدار خود زندگی بھر اخلاق آوارگی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھٹکتے رہے ۔ اس بات نے ان کے اعمال ان کے اقوال کو بے اثر کرکے رکھدیا قرآن مجید میں ارشاد ہے :

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلاتعقلون (۹۷)

کیا تم لوگوں کو نیک عملی اور خوش اخلاقی کی تلقین کرتے ہو ، اور اپنے کو بھول جاتے ہو ، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو ۔ کتاب سے مراد کوئی ایسی کتاب ہے جو کسی نبی پر اتری ہے ۔ مقصودیہ ہے کہ آسمانی ہدایت سے وابستگی کے بعد یہ کیفیت خصوصی طور پر افسوناک ہے ۔

۵ ۔ موعظت : قرآن مجید نے تربیت اخلاق کے نبوی منہاج کی تشریح کرتے ہوئے ایک اصول الموعظہ الحسنہ ، بتایا ہے ۔ صرف الموعظۃ استعمال نہیں فرمایا ۔ یہ ایک حکمت کے پیش نظر ہے ۔ موعظت کا مادہ عربی زبان میں وعظ ہے ۔ ...وعظ کے عام معنی نصحیت و خیرخواہی کے ہیں یعنی کسی کو غلطیوں ، غلط غلط کاریوں ، بداخلاقیوں ، بے قاعدگیوں اور بے اعتدالیوں کے برے انجام سے ڈرانا ، لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ڈرانیوالےخود بھی ڈراؤنے بن جاتے ہیں ۔ اسی لئے الموعظۃ الحسنہ فرمایا ۔ تعلیم اخلاق کے کام میں معلم اخلاق کو سختیوں سے واسطہ پڑتا ہے لیکن وہ صبر و استقلال ، عالی حوصلگی ، وسیع الظرفی اور اخلاقی بلندی سے ان سب باتوں کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے اور اپنا فریضہ نہایت خوش اسلوبی اور محبت و خلوص سے ادا کرتا رہتا ہے ۔

ارشاد ہے : ولمن صبر و غفر ان ذالک لمن عزم الامور (۹۸)

کہ جو صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں ' بیشک یہ بہت بڑے عزم و استقلال کا کام ہے سورۂ قصص میں ارشاد ہے :

اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ (۹۹)

یہ لوگ اپنا ثواب دہرا پائیں گے اس بات پر کہ انہوں صبر و استقلال سے کام لیا اور یہ کہ وہ برائی کے جواب میں بھی بھلائی کرتے ہیں ۔

موعظت میں دل کی ایسی کیفیت کی بیحد ضرورت ہے جس میں شفقت موجزن ہو ' ورنہ بسا اوقات موعظت کے اثرات منفی بھی ہو جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو نصیحت فرماتے ہوئے خیرخواہانہ انداز کو سیاق وسباق میں سمو دیا ہے ۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے : ان اللہ نعمایعظکم بہ (۱۰۰)

کہ وہ بات کتنی عمدہ ہے جسکی نصیحت اللہ تمہیں کرتا ہے یا یہ کہ وہ انداز کتنا پیارا جس انداز سے اللہ نصیحت کرتا ہے ۔

منافقین کی معاندانہ کارروائیوں اور ذہنی بدخواہانہ کیفیات کے باوجود آنحضور کو حکم ہے کہ عمدہ پیرایے میں نصیحت فرمائیں ' ارشاد ہے :

ثم جآءوک یحلفون باللہ ان اردنا الا احسانا و توفیقا ' اولئک الذین یعلم اللہ مافی قلوبہم فاعرض عنہم وعظہم وقل لھم فی انفسہم قولا بلیغا (۱۰۱)

کہ اس کے بعد یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ان کا مقصد تو محض بھلائی اور ملاپ تھا ' ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو اس کا بخوبی علم ہے ' تاہم آپ ان کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں اور خیر خواہی سے ان کے برے اعمال کے انجام سے ڈراتے رہیں ' اور انکو ان کے فائدے کی ایسی باتیں کہیں جو ان کے دل میں اتر جائیں ۔

آنحضور کے منہاج تربیت کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ آپ میں شفقت و محبت کی فراوانی تھی ۔ آپ سب پر بیحد مہربان اور شفیق تھے ، قرآن مجید اسلام کی کامیابی کو آپ حضور کی خوش اخلاقی کا کرشمہ بتاتا ہے :

فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک (۱۰۲)

کہ یہ اللہ کی رحمت ہے آپ تند خو سخت دل ہوتے تو یہ آپ سے متفرق ہو چکے ہوتے ،

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے ۱۰۳

معاشرے سے بداخلاق اور اسکے رحجانات کو یکسر ختم کرنیکیلئے ضروری ہے کو تعلیم اخلاق کو عام کیا جائے ۔ اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے باز رکھنا ہر فرد کا فریضہ ہو ۔ اپنے حلقۂ اثر میں بھلائی کو عام کرنے اور اسپر کاربند کرنیکا وہ خود ذمہ‌دار ہو ۔ معلم اخلاق نے اسپر بھی توجہ فرمائی ہے ۔ ارشاد ہے :

کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ ۱۰۴

کہ آپ سب کے ذمہ دار ہیں ۔ اور آپ کو اپنی ذمہ داری کیلئے جواب دہ ہونا ہوگا ۔

کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو معاشرے میں بداخلاق کے سامان ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جیسے جنگل میں خود رو گھاس اگتی ہے ۔ حتیٰ کہ معاشرے میں ایسے بدخواہ پیدا ہو جاتے ہیں جو برائی کا نہ صرف یہ کہ برملا ارتکاب کرتے ہیں ، بلکہ دوسروں کو بھی مجبور کرتے ہیں ۔ ایسے عناصر کی طرف قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے :

یاسرون بالمنکر وینھون عن المعروف ویقبضون ایدیھم نسوا اللہ فنسیھم ان المنافیقین ھم الفاسقون ۱۰۵

کہ بری بات کا حکم دیتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے رہتے ہیں اور ان کو نیک عملی سے عملاً روکتے رہتے ہیں (یا خود عملاً عملاً نیک کاموں سے روکتے ہیں) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انکو بھلا دیا ۔ بیشک منافقین بڑے نافرمان ہیں ۔

۶ ۔ جامعیت : اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے چند خاص قسم کے امور کا نظم و نسق برقرار رکھنے اور اسکو ترقی دینے کیلئے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے (۱۰۶) ۔ چونکہ یہ کام اپنے اندر تنوع رکھتا ہے اس لئے رب قدوس نے مختلف انسانوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے ۔ مثال کے طور پر کوئی کاروباری ہے تو کوئی صنعتکار ' کوئی تاجر ہے تو کوئی کاشتکار ' کوئی عدالت کا قاضی ہے تو کوئی سپہ سالار ' کوئی بادشاہ ہے تو کوئی وزیر ' کوئی واعظ ہے تو کوئی معلم ' کوئی مصلح باصفا ہے تو کوئی حال مست زاہد و عابد اسی طرح مختلف انسانوں کی مختلف اوقات میں حیثیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں ۔ مثال کے طور پر وہ بیٹی ہے یا بیٹا ' ماں ہے یا باپ ' استاد یا شاگرد ' آجر یا اجیر ' حبیب یا شفیق وغیرہ وغیرہ ان متنوع صلاحیتوں اور مختلف حیثیتوں کے مدنظر ایک معلم اخلاق کیلئے ضروری کہ وہ ایک ایسا جامع نظام اخلاق پیش کرے اور ایسا لچک پزیر منہاج زیر عمل لائے جسمیں انسان کی ہر قسم کی بہتر صلاحیت و استعداد کے صحیح طور پر نشو و نما پانے کی گنجائش موجود ہو ' اور جو انسان کو ہر حیثیت میں رہنمائی عطا کر سکے ' تاکہ ہر ذوق اور ہر وضع کا آدمی اپنی اپنی فطری صلاحیتوں طبعی خصوصیات اور معاشرتی و معاشی حیثیتوں کے مطابق انسانی زندگی کا کمال پا سکے ۔ بات تو حضرت ابراہیم کی ہے قرآن مجید نے ارشاد فرمایا :

ان ابراہیم کان امۃ (۱۰۷)

کہ ابراہیم بجائے خود ایک امت تھے ۔

اس کے مطابق ہر نبی ان تمام استعدادون اور صلاحیتوں کا جامع ہوتا ہے جو اس کی امت میں پائی جاتی ہیں - اس لئے آپ حضور کو خاتم الانبیاء اور المبعوث الی کافۃ الناس (۱۰۸) ہونے کے اعتبار سے انسانی متنوع قسم کی خوبیوں ' صلاحیتوں اور حیثیتوں کا جامع بنایا :

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (۱۰۹)

اس لئے آپ کے نظام اخلاق اور منہاج تربیت میں ان عمومی اخلاق کی تربیت کا انتظام ہے جو ہر ایک انسان کو بلااستثناء اختیار کرنا ہوتے ہیں تو وہاں ان اخلاقی اقدار کی تعلیم و تربیت کا بھی سامان ہے جو جدا جدا حیثیت کے انسانوں کیلئے ہیں - آپ کے صحابہ کرام کی زندگیوں کے تفصیلی مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے ان میں ہزاروں متنوع صلاحیتوں اور حیثیتوں کے انسان تھے اور ہر ایک نے آپ کے دامن تربیت میں تربیت پاکر انسانی تاریخ میں مثالی کردار پیش کیا اور روشن نام پایا - آپ کی تعلیمات میں ایسی جامعیت اور آپ کے منہاج میں ایسی لچک ہے کہ انسانی ہر معاشرے اور ہر دور کا انسان انہی انفرادی خصوصیات اور اجتماعی ضرورتوں کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتا چلا آیا ہے ء ہو رہا ہے اور ہوتا رہیگا -

******

حضور اکرمؐ بحیثیت معلم اخلاق

جناب فضل حق میر*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

«قسم ہے خدا کی ، یہ دین غالب ہو کر رہے گا ، یہاں تک کہ ایک سوار صنعا سے حضرالموت تک سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا آسے کسی کا خوف نہ ہو گا ۔ البتہ چرواہے کو صرف بھیڑیوں کا خوف ہو گا کہ کہیں بکری اٹھا کر نہ لےجائیں لیکن افسوس کہ تم لوگ جلدی کرتے ہو ۔»

یہ وہ کلمات ہیں جو انسانیت کے محسن اعظم ، داعی حق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے جب مکہ کی گلی کوچوں میں حق و باطل کی کشمکش عروج پر پہنچ چکی تھی اور جب اسلام کے ھمہ گیر اور زندگی بخش انقلاب ، اور نظام رحمت کو روکنے کے لئے کفر ، اپنی تمام قوتوں سے داعی حق راہروان قافلہ حق سے برسرپیکار تھا ۔ جب مخالفتوں کے طوفان آٹھ رہے تھے ، جب مصائب کی جھلسا دینے والی باد صرصر چل رہی تھی ۔ جب آلام کی یورش تھی ، داعی حق نے کمال استقلال اور نہایت پامردی سے یہ کلمات صبر انگیز اپنے رفیق سفر حق سے کہے جب وہ آلام و مصائب کے طوفان سے دل برداشتہ ہو کر آپ کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے عرض کی تھی کہ آپ اپنے رب سے کفار کے ظلم و ستم کے خاتمے کی دعا کریں ۔

---

*پرنسپل تعمیر ملت پبلک سکول ، کوئٹہ ۔

آپ نے جان نثار اسلام کو نیا عزم اور تازہ ولولہ عطا فرماتے ہوئے کہا ! ابوذر تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لئے گڑھا کھودا جاتا ، پھر اُسے گڑھے میں کھڑا کیا جاتا ، پھر آرے سے اس کے جسم کو چیرا جاتا ، یہاں تک کہ اُس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جاتے ، پھر بھی وہ دین سے نہ پھرتا ۔ اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھیاں چبھوئی جاتیں جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتیں مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا »

هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ۔

وہ اللہ ہے ، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے ۔

جب انسانیت کے رہبر کامل اور سرور عالم ، غلبۂ دین حق کے لئے دنیا میں تشریف لائے تو پوری نسل آدم پر جہالت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی ، خدا کی زمین میں ہر طرف فساد تھا ۔ ظهر الفساد فی البر و البحر ۔ تاریکی اس قدر دبیز تھی کہ ظلامات بعضها فوق بعض ، تاریکی پر تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ انسانیت سسک رہی تھی ، دم توڑ رہی تھی ، گمراہ رہی تھی ، حیران و آشفتہ تھی ، چاک گریباں تھی ۔ لیکن نجات ابدی کا وقت قریب آن لگا تھا ، اس لئے کہ انسانیت کے آخری نجات دھندہ کے ظہور کا وقت آ پہنچا تھا ۔ وہ جس کی آمد کے لئے ، کعبہ کی بنیادیں رکھتے وقت آذر کے موحد بیٹے ابراہیم اور اُس کے صبر و رضا کے پیکر لخت جگر اسماعیل نے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ پھیلا کر عاجزی سے فریاد کی تھی :

ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم ایتک ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم ۔ انک انت العزیزالحکیم ۔

اے ہمارے رب ! ان لوگوں میں ، خود انہی میں سے ایک رسول اٹھائیو ، جو انہیں تیری آیات سنائے ، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو سنوارے ۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے ۔

یہی مژدۂ جانفزا موسیٰ عمران نے دیتے ہوئے کہا تھا : خدا سینا سے نکلا ، سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔ اور یہی روح افزا خوشخبری عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو دیتے ہوئے فرمایا تھا :

« میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں تو تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا تو سچائی کی راہیں بتا دے گا۔

۱۲ ربیع الاول ۵۷۱ء کو وہ مبارک ساعت آ پہنچی ، جب ظلم و جہالت کی تاریک رات کا جگر چیر کر ہدایت کی چمکتی اور روشن صبح لانے کے لئے انسانیت کا آخری نجات دھندہ محمد اور احمد کے مبارک ناموں سے آمنہ کی گود میں ہویدا ہوا۔ عمر مبارک کے چالیس سال عرب کے صحرا نشینوں کے درمیان گزارے۔ عرب کے اس غیر متمدن ، زوال آشنا خدا ناشناس اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی سوسائٹی میں ایک شمع تھی جو روشن کردی گئی ، ایک چراغ تھا جو جلا دیا گیا ، ایک ہیرا تھا جو پتھروں کے ڈھیر میں الگ اور ممتاز نظر آنے لگا۔ قریش کی بزرگ ہستی ، عبدالمطلب کے یتیم پوتے کی پاک دامنی ، حیا ، دیانت ، امانت اور صداقت کا چرچا، خوشبو کی طرح مکہ کے کوچہ و بازار میں پھیل گیا۔ الصادق اور الامین کے خطابات سے نوازے گئے ۔ ایسی پختہ سیرت ، ایسا بلند کردار اور عمل کی ایسی پاکیزگی ، کہ اھل مکہ کے سامنے بر ملا اعلان کر دیا :

فقد لبثت فیکم عمراً من قبله ۔ افلا تعقلون ۔

عمر مبارک کا چالیسواں سال شروع ہوا تو غار حرا کی پہنائیوں میں ، جبکہ آپ مصروف عبادت تھے ، خدا کے فرستادہ عظیم المرتبت فرشتے ۔ جبرائیل امین —کی آواز گونجی :

اقرا باسمم ربک الذی خلق ، خلق الانسان من علق ، اقرأو ربک الاکرم الذی علم بالقلم ، علم الانسان مالم یعلم ۔

پڑھیئے (اے محمد) اپنے رب کے نام سے ' جس نے پیدا کیا ' جمے ہوئے خون سے انسان کی تخلیق کی ' پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے ' جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا ۔

محمد عربی غار حرا سے قرآن لے کر ' خود مجسم قرآن بن کر ' خلق عظیم کا تاج پہن کر ' حق و صداقت کی تیغ جہاں دار لے کر ' صبر و استقامت کی ڈھال تھام کر ' یاد الٰہی کی زرہ بکتر زیب تن کرکے ' پوری انسانیت کو راہ نجات دکھانے کا عزم بلند لے کر نکلے اور سوئے مکہ روانہ ہوئے :

نکلا حرا کے غار سے وہ نازش مسیح
سارے جہاں کے درد کا درماں لئے ہوئے

انذر عشیرتک الا قربین ' کے حکم خداوندی کے تحت اپنے گھر ' اپنے اہل خاندان ' قرابت داروں ' دوستوں اور عزیزوں کے سامنے پیغام حق رکھا ۔ وہ افراد جو قلب منیب اور چشم بینا رکھتے تھے دیوانہ وار آواز حق کی طرف لپکے ۔ جب یہ اعلان حق نازل ہوا کہ :

یاایھا المدثر ' قم فانذر ' تو گویا یہ اعلان خداوندی تھا کہ اے انسانیت کے محسن اور رہبر اب وقت آ گیا ہے کہ آپ اہل عالم کے سامنے علی الاعلان پیغام حق کہہ دیجئے اور کسی مخالفت کو خاطر میں نہ لایئے ۔ محمد مصطفیٰ آیات کتاب مقدسہ کا ورد کرتے ہوئے اور نہایت استقلال سے قدم اٹھاتے ہوئے کوہ صفا پر چڑھے اور منادی دی :

اے لوگو ! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے اس طرف ایک لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے ۔ تو تم میری بات کو سچ مانو گے ؟ سب نے کہا ۔ ہاں ! ہمارے تجربے میں تم جھوٹ بولنے والے انسان نہیں رہے ہو ۔ آپ نے فرمایا : اچھا تو خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تمہیں خبردار کرتا ہوں ۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو ۔ میں خدا کے مقابلے میں تمہارے

کسی کام نہیں آ سکتا ۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے ۔

یہ اعلان حق بطحا کی وادیوں میں اس زور سے گونجا کہ برسوں کی نیند سے بوجھل آنکھیں بیدار ہو گئیں اور غلافوں میں لپٹے ہوئے دل اس آواز کو سن کر دھڑکنے لگے ۔

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ؟
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

پڑا ہر طرف شور اعلان حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

یٰایھا النبی انار سلنٰک شاھداً و مبشراً و نذیراً ۔ وداعیا الی اللہ باذنہٖ وسراجاً منیراً ۔

اے نبی ھم نے آپ کو گواہ ، اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے ۔

جب ہدایت کا یہ آفتاب طلوع ہوا تو ساری دنیا کی تاریکیاں ہر جہت سے شب خون مارنے کے لئے لپکیں ۔ باطل خم ٹھونک کر میدان میں آ گیا ۔ منکرین حق ، داعی حق اور اس کے جاں نثاروں کا راستہ روکنے کے لئے پورے ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ مقابل آ گئے ۔ مصائب کی باد صرصر چلنے لگی ، مخالفتوں کے طوفان آٹھے ، غم و حزن کی گرم آندھیاں چلیں لیکن داعی حق کمال پامردی اور استقلال سے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علھم الملئکۃ ان الاّ تخافوا ولا تحزنوا و ابشر وابالجنۃ التی کنتم توعدون ۔ نحن اولیاء کم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الآخرہ ۔ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے ، پھر اس پر ثابت قدم رہے ، تو ان لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو ، غم نہ کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۔ ہم اس

دنیا میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی ' کی تصویر بنا ' ان آندھیوں میں صداقت کے چراغ جلاتا رہا ۔ پھر چراغوں سے چراغ جلنے لگے اور تاریکیاں سیماب پا ہونے لگیں ' لیکن صداقت کے یہ چراغ جلانے کے لئے ' حق کی خوشبو پھیلانے کے لئے ' غلبۂ اسلام کے لئے اور پرچم حق کو بلند کرنے کے لئے پیغمبر حق کے قدم کس قدر لہولہان ہوئے ' مصائب کی کتنی صبر آزما گھڑیاں کاٹیں ' غم و حزن کی کتنی زہرہ گراز گھاٹیاں عبور کیں ؟ خود علمبردار حق پکار اٹھا : « میں اللہ کے راستے میں اتنا ستایا گیا اور بھوک پیاس کی اتنی تکلیفوں سے گزرا کہ خدا کا کوئی نبی ایسی تکالیف سے دو چار نہیں ہوا ۔

حق و باطل کی اس صبر آزما کشمکش کے دور میں بھی آپ کی زندگی کے اوراق ہمیں یہ درد ناک منظر دکھاتے ہیں کہ خدا کا نبی منکرین حق کے ہجوم میں گھرا کھڑا ہے ۔ عقبہ بن معیط آگے بڑھتا ہے اور آپ کے گلوئے مبارک میں چادر ڈال کر اسے کسنے اور بل دینے لگتا ہے ۔ نبی محترم کا سانس رکنے لگتا ہے اور تکلیف چہرے سے عیاں ہو رہی ہے ۔ عقبہ کا ارادہ ہے کہ حضور کو جان سے مار دے کہ حضرت ابوبکر صدیق بھاگتے ہوئے آتے ہیں ۔ منکرین حق پر یہ کہتے ہوئے پل پڑتے ہیں : « کیا تم انہیں صرف اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ یہ کہتے ہیں ۔ اللہ میرا رب ہے »۔ چشم فلک نے صحن کعبہ کے کھردرے فرش پر یہ منظر بھی دیکھا کہ خدا کا پیارا حبیب اس کے حضورجبین نیازجھکائے ہوئے ہے کہ عقبہ بن معیط ' مخالفین اسلام کے ایک ہجوم کے ساتھآتا ہے اور آپ کے مبارک سر پر غلاظت بھری اوجھڑی ڈال دیتا ہے ۔ آپ اس کے بوجھسے سر نہیں اٹھا سکتے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ' جو دور کہیں اشرار قریش کے درمیان کھڑے تھے ' کہتے ہیں کہ ' میں دیکھتا ہوں کہ اچانک ایک بچی ننگے پاؤں صحن کعبہ میں آتی ہے اور حضور کے سر مبارک سے اپنے ننھےمنے ہاتھوں سے اوجھڑی گھسیٹ کر ہٹاتی ہے ۔ میں سوال کرتا ہوں ' یہ بچی کون ہے ؟ جواب ملتا ہے ' فاطمہؓ بنت محمدؐ ' جگر گوشہ رسول ۔

چشم آفتاب اُس وقت کی بھی گواہ ہے ' جب محمد عربی اپنے گھر میں داخل ہو رہے ہیں - پائے مبارک دشمنوں کے بچھائے ہوئے کانٹوں سے لہولہان ہیں ' دل قریش کی الزام تراشیوں سے زخمی ہے ' سرمبارک پر دشمنان اسلام کی اڑائی ہوئی خاک پڑی ہے - آپ کی لخت جگر فاطمہ الزہرا آپ کا سرمبارک دھو رہی ہیں اور آپ کی حالت دیکھ کر رو رہی ہیں اور آپ یہ کہہ کر اُس کی ڈھارس بندھا رہے ہیں : «خدا ہمیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا -» جب مکہ کے لوگوں کے دل آوازۂ حق کے لئے پتھروں کی طرح سخت ہو جاتے ہیں یا شاید اس سے بھی زیادہ سخت ' تو داعی خوشحال لوگوں کی بستی طائف کا رخ کرتے ہیں - زید بن حارث ہمسفر ہیں - آرزو یہ ہے کہ اس شہر کے باسیوں میں سے کچھ کے دل ہدایت کے لئے کھل جائیں - لیکن اس شہر کے امراء اور عوام داعی حق کا اس طور استقبال کرتے ہیں کہ جسم مبارک پر پتھر برسائے جا رہےہیں ' سارا بدن لہولہان ہے اور خون سے تربتر - نڈھال ہوکر بیٹھ جاتے ہیں تو اسلام کے دشمن بازو پکڑ کر آٹھا دیتے ہیں اور مشق ستم پھر شروع ہو جاتی ہے - حضرت زید آپ کو بچاتے بچاتے خود زخمی ہو جاتے ہیں - بالآخر خدا کا نبی اس شہر خوں آشام سے اس حال میں نکلتا ہے کہ اُس کے جسم کا رواں رواں پتھروں کی ضربوں سے زخمی ہے -

طائف میں مقدس خوں ٹپکا مکے میں بھی پتھر کھائے
بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ انسان ہدایت پاجائے

شعب ابی طالب میں بھوک پیاس اور تکالیف کے تین سال گزار کر نکلتے ہیں تو کرب اور کمزوری چہرے سے عیاں ہے - بدر میں خدا کے حضور پیشانی جھکائے عاجزی سے دعا کر رہے ہیں : خدایا تو نے اپنے پیغمبر سے جو وعدہ کیا ہے ' اُسے آج پورا کر - اگر آج یہ چند حق پرست مٹا دیئے گئے تو روئے زمین پر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا - احد میں دندان مبارک شہید ہیں ' سر زخمی ہے اور رخسار مبارک میں خود کی کڑیاں پیوست ہیں ' روئے مبارک پر استقامت و پاسردی کا جلال ہے اور لب پر ہے : رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون - حنین میں اُس وقت بھی چٹان کی طرح ثابت قدم ہیں جب پورا لشکر تیروں کی تاب نہ لا کر

پسپا ہو چکا ہے ۔ پکار رہے ہیں : انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب ۔ غرض راہ حق میں کونسی ایسی منزل ہے جہاں آپ کے قدم لہولہان نہ ہوئے ۔

گذرے وہ جس مقام سے طائف ہو یا حنین
اپنے جلو میں رحمت یزداں لئے ہوئے

مکہ میں قریش کے وفد کی آمد کے بعد جب ابو طالب کہتے ہیں : بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو میں آٹھا نہ سکوں» تو عزم و حوصلہ سے ارشاد فرماتے ہیں : «چچا ، خدا کی قسم ، یہ میرے ایک ہاتھ میں سورج لا کر رکھ دیں اور دوسرے میں چاند ، پھر بھی میں دعوت حق سے باز نہ آؤں گا ۔ یا تو اللہ اس دین کو غالب کر دے گا یا میں اس راستے میں ہلاک ہو جاؤں گا ۔»

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

انسانی تاریخ میں آپ کی شخصیت ، انسانیت کی ایسی بلندی کی حامل ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک بڑی بڑی تاریخی شخصیات اور تاریخ ساز انسان ، جنہیں دنیا اکابر میں شمار کرتی ہے ، حضور کے بلند پیکر کے سامنے بونے نظر آتے ہیں ۔ دنیا کے اکابر میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے کمال کی چمک دمک آپ کی ہمہ گیر اور جامع کمالات زندگی کے مقابلے میں ریزہ ریگ کے برابر بھی ہو ۔ ان میں سے کوئی نظریات کا بادشاہ ہے مگر عمل سے محروم ، کوئی عمل کا پتلا ہے تو فکری بلندی سے محروم ، کسی کے کمالات سیاسی تدبر تک محدود ہیں ، کسی کی نظر اجتماعی زندگی کے ایک پہلو پر اتنی گہری جمی ہوئی ہے کہ دوسرے پہلو اوجھل ہو گئے ۔ کسی نے اخلاق و روحانیت کو لیا تو معیشت کو بھلا دیا ، کسی نے معیشت اور سیاست کو لیا تو اخلاق و روحانیت کو نظر انداز کر دیا ۔ تنہا رہبر کامل کی زندگی ایسی ہے جو جامع الصفات ہے ۔ آپ معلم بھی ہیں اور حکیم بھی اور خود ہی اپنی حکمت کو عملی زندگی میں نافذ کرنے والے بھی ۔ آپ سیاسی مدبر بھی اور فوجی لیڈر بھی ، واضع قانون بھی

ہیں اور معلم اخلاق بھی - مبلغ بھی ہیں اور معلم بھی ' مربی بھی ہیں اور مزکی بھی ' قاضی بھی ہیں اور حاکم بھی - آپ کی زندگی انسان کامل ' مسلم قانت اور مومن صادق کی زندگی کا ایسا نمونہ ہے جسے حق تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے بہترین اور قابل تقلید نمونہ قرار دیا ہے جو اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو -

آپ کی ہمہ جہت روشن زندگی کا سب سے تابناک پہلو یہ ہے کہ یہ قول و فعل کی ہم آہنگی اور مطابقت کا حسین نمونہ ہے - آپ نے جن باتوں کا حکم دیا خود اپنی زندگی سے اس کی بہترین مثال پیش کی - نماز کا حکم دیا تو فرض نمازوں کے علاوہ اسقدر عبادت کرتے کہ خدا کے حضور کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جاتا - لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا تو اپنا یہ حال تھا کہ جو کچھ اپنے پاس ہوتا حاجت مندوں پر خرچ کر دیتے - عفو و درگزر کا حکم دیا تو خود اپنے محترم عم کے قاتلوں تک کو معاف کر دیا - اپنے اور اہل ایمان کے ان جانی دشمنوں کو اس وقت معاف فرمایا جب فتح مکہ کے بعد آپ کو ان پر غلبہ نصیب ہو چکا تھا - نہ صرف اہل ایمان کے سامنے کتاب اللہ کے مطابق زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ پیش کیا بلکہ خود ان کی زندگیوں کا تزکیہ کیا -

آپ نے اللہ کے راستے کی طرف لوگوں کو ایسی دانائی ' حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایا اور ایسی دلسوزی خیرخواھی اور اخلاص سے پیغام پہنچایا کہ جہالت سے بوجھل آنکھیں کھلنے لگیں اور بیمار دل شفا پانے لگے - آپ نے بہترین نصیحت سے اہل ایمان کو بری رسموں سے پاک کیا ' ان کے اندر اچھے اخلاق اور پاکزہ اوصاف پیدا کئے - ان کے اندر کتاب اللہ کو سمجھنے کی بصیرت پیدا کی یہاں تک کہ وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو کتاب اللہ کے مطابق ڈھالتے چلے گئے - یہ آپ کی تعلیم اور تربیت کا اعجاز ہے کہ بے آب و گیاہ صحرا سے اٹھنے والی تہذیب ساری دنیا پر چھا گئی - صحرا نشینوں نے علم و حکمت کے موتی لٹائے جس سے پوری نسل انسانیت نے دامن بھرا - جن کی روشن دماغی اور علم و

حکمت نے یورپ ، ایشیا اور افریقہ کی تاریکیوں کو دور کیا ۔ آپ روشنی کا ایسا مینارہ ہیں جس کی رہنمائی میں انسانیت کے قافلے ، تاقیامت اپنی منزل کا سراغ پاتے رہیں گے ۔

آج بھی دنیا کو وہی معرکہ خیر و شر درپیش ہے ۔ اندھیرے ہر سمت سے روشنی کو نگلنے کے لئے بڑھ رہے ہیں ۔ بے خدا تہذیب کی چکا چوند آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے ، انسانوں کی بھڑکائی ہوئی آگ سے خود انسان کا دامن جل رہا ہے ۔ تو کیا اس دور پرآشوب میں ایک راہبر و راہ حق سے نبی برحق کی زندگی یہ تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لئے آٹھ کھڑا ہو ، دنیا سے ضلالت و گمراھی کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے کتاب اللہ اور سیرت رسول سے رہنمائی حاصل کرے اور بھٹکے ہوئے ، بیمار اور مایوس دلوں کے لئے شفا اور سکون کا سامان فراہم کرے ۔ او ارشاد خداوندی ہے : الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل ۔ یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ۔ ویضع عنھم اصرھم والا غلل التی کانت علیھم ۔ فالذین آمنوا وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ ۔ اولئک ھم المفلحون ۔ (پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے ، جو اس نبی امی کی پیروی اختیار کریں ، جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے ، بدی سے روکتا ہے ، پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے ۔ اور آن پر سے وہ بوجھ آتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے لہذا جو لوگ آس پر ایمان لائیں اور آس کی حمایت و نصرت کریں اور آسی روشنی کی پیروی کریں جو آس کے ساتھ نازل کی گئی ہے ، وہی فلاح پانے والے ہیں ۔

انسانیت کے جس نجات دہندہ، ہادی و پیشوا اور محسن نے انسان کو شرف انسانیت سے آگاہ کیا ۔ جس نے آدمی کو مجازی خداؤں سے نجات دلائی اور مجبور و مقہور انسانوں کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کاٹیں ۔ عالم انسانیت کو

آج اسی محسن انسانیت کے لائے ہوئے نظام رحمت کی ضرورت ہے - یہی نظام عدل و انصاف آج بھی دنیا کی بقا اور نجات کا ضامن ہے - یہ کرہ ارض فکر و عمل کی جن گمراہیوں سے جہنم بن چکا ہے ' وہ صرف محمدؐ کے لائے ہوئے نظام حیات سے دور ہو سکتی ہیں - دنیا والے اس نظام رحمت کی طرف قدم بڑھائیں تو ان کا ہر قدم تاریکی سے روشنی کی طرف ہو گا -

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم مشن کو کون پورا کرے گا - قرآن کہتا ہے کہ اس منصب عظیم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار فائز کئے گئے ہیں - ارشاد ہوتا ہے -

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر و تؤمنون باللہ'' امت مسلم وہ بہترین امت ہے جس کی تخلیق کی وجہ خالق نے شہادت حق بتائی ہے - اب اگر ملت اجتماعی طور پر اور ہر مسلم انفرادی طور پر اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا تو اسے پروردگار کے حضور جواب دہی کرنا ہوگی ' کہ دنیا کفر و ضلالت کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی اور تم قرآن و سنت کی شکل میں روشنی اور ہدایت کا سامان رکھتےتھے تم کہاں تھے ' تمہاری عزت کو اس وقت کیا ہو گیا تھا جب خدا کی زمین پر باطل نظام غالب تھے اور ان کی وجہ سے زمین جہنم بنی ہوئی تھی - محمدؐ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے عظیم قربانیوں کے بعد تم تک جو نعمت پہنچائی تھی ' تم نے اس کی قدر پہچانی اور اس نعمت سے دوسروں کو کہاں تک بہرہ ور کیا ؟ تمہارے عشق رسول اور حب نبی کا کیا حال تھا جب تمہارے محبوب پیغمبر کے دین کو پامال کیا جا رہا تھا - تم نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر عہد کیا تھا کہ تم اسلام کے پیغام ابدی کو دنیا کے دوسرے انسانوں تک پہنچاؤ گے - مگر تم خود غافل ہو گئے ' دنیا تو خیر غفلت کی نیند سو ہی رہی تھی - قرآن کہتا ہے :

وکذالک جعلناکم امة وسطاً التکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً - رسول محترم نے کمال استقلال سے شہادت حق کا حق ادا کر دیا -

منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد حضور کی ۲۳ سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک سانس اسی فرض کو ادا کرنے میں گزرا ۔ حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ نے امت سے اس کی شہادت لی اور فرمایا کہ جن لوگوں کو یہ پیغام حق ملا ہے ، وہ اسے دوسروں تک پہنچا دیں ۔ اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ پیغام قرآن و سنت کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہے :

انی تارک فیکم الثقلین ، کتاب اللہ و سنتی

میں دو بھاری چیزیں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں ، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت ۔ ربیع الاوّل کے مقدس مہینے کا بس یہی پیغام ہے کہ اے مسلم خوابیدہ جاگ ، چشم بصیرت کھول ، اپنے مقام و منصب سے آگاہی حاصل کر ، اپنے مشن کو پہچان اور اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑا ہو ۔ اپنے دل کی اجڑی بستی کو عشق نبی سے آباد کر ، بیمار دلوں کی شفا کا سامان کر ، مایوس دلوں کو رحمت دو جہاں سے نیا حوصلہ عطا کر اور چار سو پھیلے ہوئے اندھیروں کو روشن کرنے کا عزم کر ۔ دیکھ ! زمانہ تیری راہ تک رہا ہے ۔ یہ صدی اسلام کی صدی ہے ۔ مستقبل کے پردے میں جھانک کر دیکھ ۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے پھریرے اڑ رہے ہیں ۔ نظام اسلام کے سورج کے طلوع کا وقت قریب آن لگا ہے ۔ قافلہ حجاز کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے ۔ اس کے راستے میں آنکھیں بچھا ، اس کا استقبال کر ۔ دیکھ اگر تو نے اپنے منصب سے آگاہی حاصل کر لی تو اپنے ہادی برحق اور سارے جہاں سے زیادہ عزیز نبی کی بشارتوں کا مستحق ٹھیرے گا ، ان کا بھائی ، صدیق ٹھیرایا جائے گا ۔ یہ رتبہ بلند تیرا منتظر ہے ۔

ہادی برحق کا ارشاد ہے : میری امت میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرنے والےوہ لوگ ہوں گے جو بعد میں آئیں گے ۔ ان میں سے ہر ایک تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دیکھتا اپنے گھر والوں اور مال کے ساتھ ۔ اور دین اسلام اپنے آغاز میں لوگوں کے لئے اجنبی تھا اور عنقریب پہلے کی طرح اجنبی بن جائے گا ۔ تو اجنبیوں کے لئے خوشخبری ہو ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میرے طریقوں

کو جنہیں لوگوں نے بگاڑا ہو گا ، زندہ کرنے کے لئے اٹھیں گے ۔

آئیے حضرات دل و جاں کی ساری توانائیوں ، صلاحیتوں اور آرزوؤں کو وقف کر دیں ہادی برحق کے نظام رحمت کی اشاعت ، اس کی عظمت کے لئے ، اس کی سربلندی و سرافرازی کے لئے ۔ یہی ہمارا مرجع امید ہو اور یہی ہماری چاہتوں کا مرکز :

دل آپ کا ہے اس کی نہ تقسیم کریں گے
جو بات بھی فرمائیں گے تسلیم کریں گے

درود و سلام ہو ہدایت کے مہر جہاں تاب پر جس کا نام نامی محمد ہے ۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد وبارک وسلم ۔

******

حضورؐ بحیثیت معلم اخلاق

میاں عبدالحکیم*

الحمد للہ والصلوۃ و السلام علیٰ اشرف المرسلین و خاتم النبین

امابعد خالق کائنات اور رب موجودات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں فرمایا ہے پارہ ۲۱ - سورہ ۳۳ ایت ۲۰ لقد کان لکم فی رسول اللہ آسوۃ حسنۃ

ترجمہ :—اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسوہ حسنہ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات حسن اخلاق کا ایک مکمل نمونہ ہے جو رہتی دنیا تک انسانیت کو سیدھی راہ دکھاتی رہے گی۔

حضور معلم انسانیت اور معلم اخلاق تھے اور اپنے حسن و کردار کی بدولت کروڑوں انسانوں کے لئے عمل کی ایک زندہ مثال بنے رہے پیغمبر اسلام کو تاریخ میں جو فقید المثال اہمیت حاصل ہے وہ بنیادی طور پر آپ کے قول و فعل سے متعلق ہے ۔ جب آپ کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ آپ دعویٰ نبوت کو کو سچا ثابت کریں تو آپ نے اپنے مشن کے مخالفین سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔ کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے کیا میں نے کبھی تمہیں غلط راہ پر لگایا ہے اگر میں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب ایک لشکر جرار موجود ہے تو کیا تم

*مذہبی رہنما ، قبائلی علاقہ جات ، سہمند ایجنسی ۔

میری بات پر یقین کرو گے ان سوالوں کا جواب بالکل واضح تھا ۔ آپ اپنی صداقت کے لئے معروف تھے اسی لئے آپ کو امین کہا جاتا تھا آپ کے مخالفین بھی اس بات کو مانتے تھے کہ آپ انہیں دھوکہ نہیں دیسکتے آپ کا انسان کی حیثیت سے کردار ایک زبردست ثبوت تھا ۔ کہ آپ سچے پیغمبر تھے آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہمی تعلقات میں اتنے مصروف تھے کہ جب بھی آپ کسی سے ملتے اس سے مصافحہ کرتے تو کبھی بھی اپنا ہاتھ پہلے نہ کھینچتے۔

آپ نے اپنے مثالی کردار سے تاریخ کو نئے روشن باب دیئے جس نے انسان کو اعلیٰ قسم کے کردار میں تبدیل کر دیا ۔

حضور نے پروردگار عالم کے حکم سے انسان کو اسلامی نصبہ العین بخشا وہ از خود تعمیر انسانیت کے لئے بہترین نمونہ تھے

قرآن پاک میں ارشاد ہے انک لعلیٰ خلق عظیم پارہ ۲۹ سورہ ۶۸ آیت ۵

آپ کی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس نے اسلام کو نیا انداز نہ دیا ہو ۔ پیغمبر اسلام جو پیغام لائے ۔ اس میں نجی اور اجتماعی زندگی کے اصولوں کا ایسا خلاصہ تھا کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ حقیقت ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا انقلابی نظریہ ہے جو وقت کے تقاضوں پر پورا اتر سکتا ہے تاریخ کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے ۔ حضور کی زندگی انتہائی سادہ تھی آپ چٹائی پر بیٹھتے تھے اپنی جوتیاں خود مرمت کرتے تھے مختصر خوراک پر زندگی بسر کرتے تھے اور زندگی میں کوئی بھی ایسا کام نہ ہو گا جو آپ نے اپنے دست اقدس سے نہ کیا ہو ۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے تمام زندگی انسانی طریقہ پر اس طرح گزاری ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے آج کے دور میں ہمیں معاشرتی اتحاد اور انسانی استحکام حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس کے لئے ہمیں وہ اسلامی طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے

قرآن پاک نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ برائی کے بدےمیں نیکی کر کے تم دوسرے انسانوں کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق تبدیل کر سکتے ہو ۔ اور پیغمبر اسلام نے عملاً اس کا ثبوت پیش کر دیا اور ہمیں عفو و درگزر کا وہ عظیم درس دیا جو ہمارے لئے معاشرتی استحکام کا واضح راستہ ہے سورہ ۴۱ کی آیت ۳۴ میں ارشاد فرمایا گیا ہے نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں برائی کو بطریق احسن روکو ۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۷ میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جب وہ غصے میں آئیں تو خطا کاروں کو معاف کر دیں ۔ اس سورہ کی آیت ۴۰ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ برائی کا بدلہ اس کے مثل برائی ہے لیکن اگر کوئی معاف کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے عظیم مثال اس وقت پیش کی جب آپ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے ۔ آپ نے سب کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا جنہوں نے آپ کو ستایا تھا اور ہجرت پر مجبور کیا تھا ۔

آپ نے فرمایا آپ مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہیں ۔ جب کہ تمہیں عسکری طاقت سے مفتوح کیا گیا ہے ۔ آنہوں نے جواب دیا ۔ اے کریم ابن کریم ہماری آخری امید آپ کا عفو و کرم ہے اس پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں تم آزاد ہو ۔ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا میں تمہیں کوئی سرزنش نہیں کرونگا اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے وہ الرحم الراحمین ہے حضور نے عفو و درگزر کا عملی مظاہرہ فرمایا ہے انہوں نے جنگ بدر کے اسیروں کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیکر ایک عظیم اخلاقی درس دیا ۔ بچوں ۔ گونگوں اور بہروں سے شفقت سے پیش آئے اور بغیر خون بہائے مکہ معظمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ مظلوم ہو یا ظالم جب آپ سے پوچھا گیا کہ مظلوم کی مدد کی بات

تو سمجھ میں آ جاتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے اس پر آپ نے فرمایا اسے بدیوں کے ارتکاب سے روکو۔

قرآنی تعلیمات کا خلاصہ جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی سے مثال ملتے ہیں یہ ہے کہ نیکی یہی انسان کا بہترین زیور ہے۔ یہ نیکی قانون کے اطلاق کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ عملی سیرت کا نتیجہ ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ایک مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور کے اخلاق کو نہایت مختصر الفاظ میں محفوظ کر لیا ہے جب انہوں نے فرمایا کہ حضور کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ حضور کی زندگی ہمیں اس بات کا درس دیتی ہے کہ اسلام صرف عبادات یا رسم ورواج کا نام نہیں۔ بلکہ اسلام ایک ایسے ضابطہ حیات کا نام ہے جو اخلاقیات تہذیب و تمدن معاشرت قانون' سیاست اور معاشیات غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر رہنمائی مہیا کرتا ہے اور ان رہنما اصولوں کی بنیاد پر ایک مثالی معاشرہ کے قیام کی ضمانت بھی دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نظریہ پر استوار ہو اور بنی نوع انسان کی فلاح کا ضامن۔ کتاب اللہ کے بمعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی رشد و ہدایت اور اخلاق و کردار کا ایک ایسا مینارۂ نور نظر آتی ہے جس کی روشنی میں ہم اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں کامل رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ایک فرد کی حیثیت سے اس ذات اقدس کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیجئے تو انسانی زندگی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ جو اس ہادی عظیم کے روشن کردار سے سنور نہ ہوا ہو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تجارتی لین دین ہو یا خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقعہ پر حجر اسود کے نصب کرنے پر اختلافات کا تصفیہ۔ طائف میں کفار کی بدعملی ہو یا شعب ابی طالب کا گھیراؤ احد کے میدان میں دشمنوں کی یلغار ہو یا بیعت رضوان کا واقعہ

یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ ان تمام مراحل میں زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کو عملی جامہ پہنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دراصل آنے والی نسلوں

کے لئے مثالی اصول وضع کر چکے ہیں اور اخلاق و کردار کا وہ عظیم درس دے چکے ہیں جو رہتی دنیا تک مسلمانوں اور عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے پوری تاریخ انسانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کی مساعی کی مکمل تفصیلات نوع انسان کی رہنمائی کے لئے محفوظ اور موجود ہیں ۔ حضور کی ذات گرامی زمان و مکان کی تمام قیود سے آزاد ہے آپ کی تعلیمات ہمہ گیر عالمگیر اور ابدی ہیں ان کی سیرت و کردار کے آئینے میں اخوت و یگانگت کے پہلو اجاگر دیکھنے ہوں تو ھجرت مدینہ کے بعد کے واقعات پر نظر ڈالئے جب مہاجرین اور انصار کو ایک ہی مضبوط کڑی میں پرو دیا گیا تھا ۔ بے مثال عدل کا نمونہ دیکھنا ہو تو اس مقدمے کا تصور کیجئے جس میں ایک مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا گیا ۔ تحمل و انسانی محبت کی بے نظیر مثال پیش کرنا ہو تو یاد کیجئے وہ وہ واقعات جب انسانیت کے اس محسن عظیم نے کفار کی سنگ باری سے لہولہان ہو کر بھی ان کے حق میں دعائے مغفرت کی ۔
الغرض حضور کی سیرت مبارک قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے ۔ اپنے ایمان و عبادات ایثاروقربانی عزم استقلال صبر و شکر حسن عمل اور حسن سلوک کے ضمن میں جو رشد و ہدایت رسول پاک نے اہل دنیا کو عطا کیں وہ درحقیقت ان کے اپنے اخلاق و کردار کا عملی نمونہ تھیں ۔ اور انہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے اخلاق و کردار کا وہ عظیم درس دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور یہی وجہ ہے کہ حضور معلم اخلاق و کردار ہیں ۔

******

مندوبین کرام

کراچی

مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی

مولانا عبد الرحمان سلفی

مفتی وقار الدین

جناب صلاح الدین

جناب یوسف سنڈاویا

لاہور

علامہ سید محمود احمد رضوی

جناب نعیم صدیقی

ڈاکٹر اسرار احمد

جناب عنایت اللہ

راولپنڈی/اسلام آباد

مولانا عبدالرحمان طاھر سورتی

صاحبزادہ محمد فیض علی فیضی

مولانا صدر الدین رفاعی

پشاور

علامہ سید نجم الحسن کراروی

مولانا سعید الدین شیر کوٹی

میاں عبد الحکیم خان

کوئٹہ

مولانا عبداللہ خلجی

پروفیسر فضل حق میر

پروفیسر عبد الرؤف

فیصل آباد

مولانا عبد الرحیم اشرف

بہاولپور

پروفیسر الہی بخش جار اللہ

حیدر آباد

جناب بی کے شیخ

پروفیسر ڈاکٹر ایم ۔ اے قادری

(کہروڑ پکا) ملتان

الحاج حافظ مولانا عبد المجید

شاکر چغتائی

سیالکوٹ

پروفیسر محمد عبد الجبار شیخ

مظفر آباد (آزاد کشمیر)

علامہ مفتی کفایت حسین نقوی

******

قومی سیرت کمیٹی

۱	وفاقی وزیر مذہبی امور	چیئرمین
۲	سیکرٹری وزارت مذہبی امور	رکن
۳	حکیم محمد سعید، مشیر صدر مملکت برائے طب	,,
۴	چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، صوبہ پنجاب	,,
۵	چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، صوبہ سندھ	,,
۶	چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، صوبہ سرحد	,,
۷	چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، صوبہ بلوچستان	,,
۸	مفتی وقار الدین، دارالعلوم امجدیہ، کراچی	,,
۹	صاحبزادہ فیض الحسن آف آلو مہار شریف	,,
۱۰	مولانا حسین الدین شاہ، راولپنڈی	,,
۱۱	مولانا عبد القادر آزاد، لاہور	,,
۱۲	مولانا عبداللہ خلجی، مشیر صدر مملکت برائے مذہبی امور کوئٹہ۔	,,
۱۳	مولانا میاں فضل حق، لاہور	,,
۱۴	علامہ نجم الحسن کراروی، پشاور	,,
۱۵	ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ، ڈائریکٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد	,,
۱۶	پروفیسر شیخ محمد سعید، ڈائریکٹر ثقافت اسلامیہ ادارہ، لاہور	,,
۱۷	علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ڈائریکٹر، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد	,,
۱۸	پروفیسر حافظ احمد یار، پنجاب یونیورسٹی، لاہور	,,

۱۹	ڈاکٹر امتیاز احمد ' کراچی یونیورسٹی ' کراچی	رکن
۲۰	ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمان ' پشاور یونیورسٹی ' پشاور	,,
۲۱	ڈاکٹر انعام الحق کوثر ' چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن ' کوئٹہ	,,
۲۲	پروفیسر سعید الدین ڈار قائد اعظم یونیورسٹی ' اسلام آباد	,,
۲۳	بریگیڈئیر (ریٹائرڈ) گلزار احمد راولپنڈی	,,
۲۴	نمائندہ وزارت اطلاعات و نشریات	,,
۲۵	نمائندہ ' وزارت تعلیم	,,
۲٦	جائنٹ سیکرٹری (تبلیغ و زیارت) وزارت مذہبی امور	,,
۲۷	ڈائرکٹر جنرل شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور	سیکرٹری

****

of Quran and Holy Prophet prescribe these two channels to flow in the same direction supplementing each other and not in conflict with each other.

The mode and the manner in which the proposition of «حقوق العباد» has been taught by Prophet Muhammad (S.A.S) is more logical and more rational and much more conducive to much more harmonious and happy social order.

****

It is here that we find all the difference in the teachings of Prophet Muhammad (S.A.S.). In his teachings we find a priority being given to the obligation of every individual to protect and preserve «حقوق العباد»

It does not require elaborate reasoning to the consequence that follows. If every individual or at least fairly large number of individuals in the light of teachings of Prophet were in a continious state of struggle for preservation of «حقوق العباد», the process will, by itself, ensure protection of their own rights.

Let us take the illustration of an individual who, day in and day out, is struggling for the betterment of his neighbours, relatives, and fellow beings. By his such conduct, he will, in fact create around himself almost an army of people for whose rights he has been fighting. If to them his conduct is truly and in full measure, in accordance with the teachings of Quran and Prophet Muhammad (S.A.S), the affected people, who had benifitted through his conduct, are bound to respond in equal measure when and if his personal rights are in jeopardy. He needs not bother about them. This all is, besides the Quranic guarantee, that his rights and property shall prosper through the aid of Allah. The theory of human rights, as propounded by modern philosophies gives rise to two seperate and conflicting streams of rights and obligations while the teachings

pattern which is not only perfect in itself, but it is so appealing in its approach that if followed properly it is bound to evolve, sustain and establish a harmonious and happy society. It is a pattern which renders guidance in the conduct of human being in the family units, business circles, state affairs, various classes of human beings and what not. My own limitations, lack of time restrain me from going into the details but in these few lines if I have succeeded in giving an incentive to more capable persons for exploring the field in larger mangitudes, I shall feel that I have done my duty.

But there is an other aspect that I would like to touch in the context of the teachings of Prophet Muhammad (S.A.S) In these modern times it is a fashion of the day to talk of human rights, fundamental rights and constitutional guarantees of citizen. Again I would not go into the details but I think it would be sufficient to stress that the modern philosophers have laid maximum stress on rights of the people. The key note to these rights is that every human being shall, struggle, shall fight for and shall be entitled to adjudication of his rights. This stress is only one way traffic. We do not find in these philosophies the apt and equal stress on the duties and obligations arising out of these rights. To sum up one might say that according to these philosophies while it is right of every human being to clamour for his rights it is only the duties of the state or other superior agencies to seek and ensure the performance of obligation.

Those who do good deeds only to be seen (of men). And refuse (to supply) even neighbourly needs (e.g. Salt, sugar, water etc).

Here we find that a Muslim in his conduct has been taught not to exhibit difference between a word and deed. We have also been taught that a Muslim shall feel uneasy if he finds a fellow being in distress. Prophet Muhammad (S.A.S) has also taught us that a Muslim shall like and choose for others that he would like and choose for himself «لا يومن أحد كم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه» He has also taught us that when a Muslim finds a fellow being in distress, he shall feel the distress as if it had been afflicated on him personally and shall not feel easy unless he has played his complete role to his utmost capability in alleviating the distress of the other. His "Companion" and staunch follower «حضرت عمر بن الخطاب»when became Caliph of the time explained the phenomenon in these words "If a dog dies of starvation on the bank of Euphrates I shall be answeable to Allah".

The quality of Charracter exhibited by «حضرت عمر» or for that matter the other true followers of Prophet Muhammad (S.A.S) only illustrate the teachings imparted by Prophet Muhammad (S.A.S) as «معلم الاخلاق» In fact looking through the verses in Quran, Ahadith and «اسوة حسنة» we find teachings from Prophet Muhammad (S.A.S) touching every human activity and we get guidance on every aspect of human life. These teachings lay down a complete

charity. Here lies the essence of teachings of the Quran and Prophet Muhammad (S.A.S). They have both called Zakat as «حق المحروم» (right of the deprived one).

In this context I quote two verses from the Holy Quran:

والذين فی اموالهم حق معلوم للسائل و المحرم (المعارج ۲۴-۲۵)

"And those in whose wealth there is a known right "

"For the beggar who asks, and for the unlucky who has lost his property and wealth and his means of living has been straitened".

When you give Zakat to an orphen, you will not say, "my child I am helping you". You will always say to an orphan, "my child do not worry, you have nothing to bother about, your own right-ful share is lying in trust with me. Take it away and satisfy your requirements". Through Zakat not only poverty has been taught to be eradicated, but the manner in which it has been ordained to be distributed is aimed at eradicating, besides poverty, the inferiority complex of poverty.

Like wise in the process of«اقامة الصلوٰة»i.e. establishment of Salat a fabric of society is aimeu at being built in which certain social evils prevailing in the society must disappear.

The consequence of failure to establish Salat properly have very aptly been described in «سورة الماعون»

الذين هم يراؤن ۙ و يمنعون الماعون ـ (الماعون : ۶-۷)

blood relations and the poor should be beautiful. The words used are «احسانا» and «حسنا» which invoke a response of love from the other side. The verses also lay down that in talking to others in all circumstances one has to preserve beauty and sweetness to invoke affection and appreciation. Under no circumstances the talk should be of a quality incensed with rudeness lest the opposite party might develop abhorance.

In these verses a general pattern of behaviour to others has been described. It has been taught that our conduct towards our fellow beings and country men should be of such an appealing quality that none of them should ever develop a feeling of dis-satisfaction and an urge to migrate. Even the establishment of "Salat" and contribution towards Zakat are aimed at eradicating the contempt and the discord and maintaining the harmony and happiness in the society. It would require a great deal of efforts to explain the philosophy of Zakat which is voluntary contribution of more fortunate fellows towards eradication of poverty. Quran has how-ever prescribed Zakat in juxta position with the prohibition of interest. Quranic teachings have clearly explained that while the usury adds to only black money ultimately damaging the entire economic system, the Zakat is a contribution in the right direction encouraging participation of all the members of society towards economic development and consequently healthy growth of wealth and prosperity. But Zakat is not to be given as

taught by Prophet Muhammad (S.A.S). We find this pattern of good behaviour is summed up in Holy Quran and Ahadith in just one word «حقوق العباد»(rights of fellow beings). These rights of fellow beings have been elaborated in various ways in Holy Quran, Ahadith and «اسوة حسنة». There is neither time nor occasion to go into greater details as to how «حقوق العباد» have been defind but I shall take this opportunity of qouting from «سورة البقرة» verses 83-84.

وإذ اخذنا ميثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا الله قف و بالوالدين احساناً
و ذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین و قولوا للناس حسناً و اقیموا الصلوٰة و
اٰتوا الزکوٰة ثم تولیتم الا قلیلا منکم و انتم معرضون○ واذ اخذنا
میثاقکم لا تسفکون دمآءکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ثم اقررتم
و انتم تشهدون○ (۲:۸۳-۸۴)

And (remember) when we took a convenent from the childern of Israel, (saying): Worship none but Allah (alone) and be beautiful and good to parents, and to kindres, and to orphans and those in need, and speak good to the people. Offer the prayer regularly and give obligatory charity. You slid back, except a few of you, and you are averse.

And (remember) when we took your covenent (saying): Shed not the blood of your people, nor turn out your own people from their dwellings. Then, this, you solemnly ratified and (to this) you bear witness.

These verses describe in brief «حقوق العباد» to the effect that conduct of human towards his parents, the relatives,

whole. Such acceptance can readily come forth only if the society realises a rationality and beauty of the pattern of human conduct prescribed with a realisation that the pattern of conduct prescribed is capable of reducing the conflict of interests to a bare minimum and encouraging a smooth and workable interdependance to its maximum.

All the great philosophers, thinkers, reformers and Prophets, in the passage of time, have in one way or the other prescribed principles of such human conduct governing a society. These principles of human conduct, behaviour of man to man patently guiding the human affairs come within the purview of the Arabic term «اخلاق».

The principles of "اخلاق" to be very exact «اخلاق حسنة» i.e. the good conduct or behaviour of human being towards his fellow beings have been propounded and preached through the history by galaxy of great human reformers, thinkers and Prophets. These principles have also been taught by Prophet Muhammad (S.A.). On this auspicious occasion of Seerat Conference it has fallan very fortunately to my lot to consider and express Prophet Muhammad (S.A.S.) as a teacher i.e. "معلم اخلاق" In this humble but arduous venture I feel my self hardly capable of dilating upon the greatest teacher born amongst a human race much less in respect of his teachings of «اخلاق»

One peculiar feature that strikes my mind in the perspective of human affairs is the perfectness and appealing form that we find in the patterns of principles of «اخلاق»

PROPHET MUHAMMAD (SAWS) AS A TEACHER OF "AKHLAQ" (HUMAN BEHAVIOUR)

Dr. M. A. Qadri*

Ever since the creation of man, human race has grown and blossomed into magnitudes which have, from time to time, become more complex. The complexity in human society arises out of interdependance and conflict of interests. This phenomenon leads to the search of man for a peaceful and harmonious society. Peace, tranquility and harmony can only be attained by proper and balanced behaviour of man towards man minimising the conflict of interests arising out of interdependance, what should be thus the criteria of such behaviour or conduct of a man visa vis the other fellow beings who are the constituents of the same society. If we cherish a desire for a properly balanced and harmonious society it would be almost a biological requirement society to have and follow a pattern of human conduct prevailing over the society. Such a pattern of conduct can only prevail if it is readily acceptable by the society as a

*Professor & Head, Deptt. of Arabic, Sind University.

of beliefs.) People like Pasteur and Salk are leaders in the first sense, People like Gandhi and Confucius, on one hand and Alexander, Caeser and Hitler, on the other, are leaders in the second and perhaps the third sense. Jesus and Buddha belong in the third category alone. Perhaps the greatest leader of all times was Muhammad, (SAWS) who combined all three functions."

I wonder if our tragic failures, hopeless performance, deviation from the right path can entitle us to be worthy of being among the followers of "the greatest leader". I have just struck the key note and leave you to make out the sad melody.

****

As emphasised at the recent International Symposim on Islam and Science, on Islamic Science Foundation is reported to have been established for acquisition and pro-motion of scientific and technological knowledge so para-mount for the very survival and progress of the Islamic World in modern times. This is a religious obligation which must be honoured at all costs. "In contrast to 250 verses which are legislative, some 750 verses of the Holy Quran, almost one eighth of it, exhort the believers to study Nature, to reflect, to make the best of use of reason and to make scientific enterprise and integral part of community's life". As an exigency of time, all the Muslim States must pool their resources generously for this project, to the tune of atleast one percent of their GNP, if not more. God has already blessed them with immense wealth in agriculture, minerals and oil and manpower. All these resources have to be exploited to the full for the benefit of the Islamic world. May God in His benign mercy bless us in our efforts —Amin.

In conclusion it may be pointed out that a few years ago, TIME—the international News magazine of America posed the question : "What makes a great leader? Through-out history, who qualifies?" to a variety of historians, writers, military men, businessmen and others. This is what the well known US psychoanalyst Jules Masserman told Time—

("Leaders must fulfil three functions—provide for the well being of the led, provide a sooial organization in which people feel relatively secure, and provide them with one set

all kinds of ailments due to conduct and convictions which are anything but Islamic. There is no short cut to recovery, or a royal road to recapture the glorious past. It has to be a long drawn long term plan incorporating practical and positive programmes for immediate implementation on emergency basis to resusitate and usher in an era of Islamic resurgence in all spheres of life even as a new Hijra Century gift to mankind.

The Islamic Conference must move towards securing and maintaining an economic equilibrium by freely increasing the flow of financial resources among its members, and plan and execute programmes for all round economic development, for Islam does not approve of "pockets of poverty amidst oceans of affluance". Without stability and economic independence, political independence is an impossibility. At the recent Arab Summit held in Amman decision to finance an Arab Development Decade with five billion US Dollars as a contribution from five Arab countries augurs well for the Islamic world. The main objective of this project is to provide much needed military security and ability of the Arabs to defend themselves without outside help. It is indeed the happiest and most heartening news of the new era. Having almost a third of the UN membership, the Conference can constitute a solid and genuinely independent block capable of commanding respect and worthy of being counted in the councils of the world as a sublimating influence and a balancing factor between the East and West.

invaded Ethopia to civilize the natives --that was aggression in the name of civilization. North West Frontier of this sub-continent was once bombarded extensively to tame wild Pathans --that was aggression in the name of reformation. Hitler invaded Europe with a dream of world conquest to civilize the human face. But the irony is that the means and methods employed for the so called cultural advancement and glory of civilization were themselves uncivilized. They were barbarian ruthlessly cruel and utterly inhuman.

It is a great misfortune for mankind that the nations count failed to learn any lesson from the past. If only the victors of the First World War had displayed an ounce of Islamic tolerance and magnaminity in dealing with the defeated and had the Treaty of Versailles been less humiliating and more imaginative, Hilter would not have been politically born and the world would have been spared the second catastrophe and conflagration. Let us recall for a moment how Muhammad (Peace be upon Him), the greatest benefactor of mankind, treated the defeated and the opponents after his triumphant march into Mecca. It was all forgiveness aglore. So generous and magnanimous was the treatment that the enemies could not believe, not even those who had once inflicted personal indignities and sought his very blood.

Future Prospects:

Today the Islamic Ummah is not only surrounded by a hostile world but is basically ailing and seriously ill with

and injustice, driven away from their hearths and homes like cattle. Where is the Islamic sense of honour? Can we redeem it? Kashmir, Palestine and now Afghanistan are a few glaring examples. Muslims have been tortured, belaboured, butchered and even burnt alive, their women folk kidnapped and dishonoured and their children put to death. The Muslims of Southern Philipines are facing the same tragedy, fighting it out all alone against heavy odds with only lip service from the Muslim world. Muslims in India fare no better and are at the mercy of Hindus.

Against this harrowing and heart rending background, the glorious achievements of Sultan Salahuddin Ayubi, a Mujhahid of Islam, stand out prominently. A number of European Kingdoms headed by Richard the Lion-hearted invaded Jerusalem and threatened Muslims with extinction in the Middle East. Like a true warrior, he accepted the challenge and inflicted crushing defeat on the European Armies. Again the contemporary history has witnessed a reversal of the situation with tragic consequences. The tables stand turned. Israel, a small Jewish State, surrounded by half a dozen Muslim countries, had destroyed their defences with a lightning attack, in a "Blitzkrig", and captured large chunks of Arab lands in a matter of hours, including Al-Quds, the very first Kaaba of Islam—beaten by sheer science and technology.

Peace Betrayed:

History is replete with instances where aggression has been sanctified on one pretext or the other. Mussolini

are groping in the dark while they have conqured space and captured the moon.

The main reason for the lack of growth of science in the Muslim countries since the 13th Century lies in the stagnation and decay of moral, social and political institutions of the Muslim Societies and the domination of dogmatism and orthodoxy in Islam which discouraged and even rejected the scientific persuits as materialistic. While the world had been adjusting rapidly under the impact of new economic and political pressures, the Muslim countries failed to respond effectively to these momentous changes and to face fresh challenges. And yet we have the audacity to say, "this was revealed to us centuries ago". What a complacency!

Protection of life, property and honour of Muslims all over the world was an article of faith with Muslims. Only one family was molested and robbed at Debal in 712 AD and the failure of Raja Dahir to make amends brought forth seventeen year old Muhammad Bin Qasim to defeat and destroy him, thus opening a gate-way of Islam on the sub-continent. That was just a family whose honour and dignity was upheld. But those were the palmy days of Islam. Since then how many indignition holocausts and genocides of Muslims have gone unpunished and even unnoticed. Today large masses of Muslim Population all over the globe are helpless victims of aggression tyranny

Now most of us are just hewers of wood and drowers of water. Since losing our bearings, we have the ignominy of constituting the Third World, being the victims of hunger and starvation, illiteracy and ignorance, inequality and injustice—the only consolation being the glorious achievements of our fore-fathers in every field of human activity. "Pidram Sultan Bood"—that is, "myfather was a king". What a consolation And what a fall from the pinnacle of greatness and glory to the abyas of darkness and misery, from the beneficient leadership of the world to the down-troden degraded refugees, from the united torch bearers of light and learning to the ignorant and ill-organised mass of helpless humanity. Our very existanc is at stake. The reason is not for to seek. The holy covenant stands defied and desecrated. Muslims in name only, we pay just lip service adhering only to rituals and formalities rather than the spirit, wasting time energy and resources in futile controversies and finally, consigning one another to perdition and hell.

The leadership of the world is decreed for the most deserving and we did have that honour till we deserved. Today our plight is pitiable. As many as 900 million of us—over 1/5th of the human race—just do not count. We are taken for granted on the political chess board of the world by powers that once drew their initial guidance and inspiration from us. We were the pioneers in all fields of human knowledge. Going astray we lost the lead. Today we

genius. This great epoch of scientific activity and brilliant achievement began as early as the 8th century AD and enriched the world till the 12th century AD. For this glorious period of learning and light, the world is heavily indebted to early Muslim Scholars and scientists like Ibne Sina, Ibne Haitham, Ibne Khaldun, Al-Beroni, Omar Khayyam and galaxy of other belonging to the culture and commonwealth of Islam, for making original contributions in their respective fields, and for extending the frontiers of knowledge and enriching human experience. History corroborates that it was in fact their enlightened approach to the acquisition and desimination of knowledge, freely sharing it with others, that laid the foundation of European Renaissance. No wonder as the pioneers of light and learning muslims recorded glorious achievements in every field of human activity and assumed the leadership of the world. Islam as a civilizing force restoring the dignity of man and sanctity of human relations atonce captured the imagination of the wayward and won the hearts of the down trodden humanity—Within a short period of just over a century it spread like wild fire to one third of the globe as a welcome blessing.

Relapse into oblivision:

The vicicitudes of life and the over changing cycle of human history eventually overtook the Muslim Umma and hearalded its decline and downfall. As long as Muslims were true to their ideals, they added glorious chapters to human history one after another and were right on the top.

praying......... It is better to teach one hour in the night than to pray the whole night. For those imparting instruction the advice of the Holy Prophet saws is based on educational psychology. "Render the way easy and not difficult. Announce agreeable things and do not startle your auditor."

A large number of captives were taken after the battle of Badr. The defeated persecutors were well treated and given the best food; the poor went free without payment of ransom, but the rest were assessed 'what the traffic could bear.' The remarkable feature of the settlement, and one unparalled in the annals of military history, was that those who could read and write were required to teach ten children each in lieu of paying a ransom of 4,000 dirhams each. This testifies conclusively the value which learning had in the eyes of the Prophet.

Glorious Achievements:

No wonder their passion for knowledge drove Muslims to every nook and corner of the globe and acquired knowledge from whatever source it was available—from the ancient Greeks and Romans, the Egyptians, the Chinese, the Persians, the Hindus, the Buddhists and even the Athiests. Their quest for Truth and knowledge from all quarters was inspired by a pithy prayer of the Prophet' 'God, show methings as they are'.

The result was a creative synthesis of cultures on a gigantic scale and on unprecedented blossoming of human

acquires it in the way of the Lord performs an act of piety: who speaks of it, praises the Lord: who seeks it, adores God: who dispenses instruction in it, bestows alms and who imparts it, performs an act of devotion to God. Knowledge enables its possessor to distinguish what is forbidden from what is not; it lights the way to Heaven, it is our friend in the desert, our society in solitude, our companion when bereft of friend; it serves an armour against our enemies.

'Let the poor and the rich be equal before you in the acquisition of knowledge'—It was this injunction of Muhammad saws that led to the establishment of many Scholarships and educational foundations at various centres such as Cairo and Damascus. Over and over again the Prophet saws declared:—

'He who leaves his home in search of knowledge walks in the path of God. He who travels in search of knowledge, to him God shows the way to paradise. One hours meditation on the work of the Creator is better than seventy years of prayer. To listen to the instructions of science and learning for one hour is more meritorious than attending the funerals of a thousand martyres, more meritorious than standing up in prayer for a thousand nights...... He who honours the learned honours me'. 'One learned man is harder on the devil than a thousand ignorant worshippers......... Seek ye knowledge from the cradle to the grave. Excessive knowledge is better than excessive

poor and the needy. He was indeed an embodiment of "KHULQUN AZIM".

Importance of knowledge:

The very first command of Allah to Muhammad (Peace be upon him) was "Iqra" - Read - a beginning that was to open the vast vistas of learning and knowledge for all mankind. The followers of Islam lived upto the guidance of holy prophet and believed firmly that "the pen is mightier than the sword", and that "the ink of a scholar is more sacred than the blood of a martyr", that "acquisition of knowledge is incumbant upon both Muslim males and females", and that "whoever seeks knowledge and find it will get two rewards, one for seeking and the other for finding. If he does not find it, he still has one reward". "Seek knowledge even if it be in China" they were told, and that "it is better to import knowledge for one hour than to pray all night". The emphasis was not only on seeking knowledge but on sharing it. It was not to be locked up behind security walls and guarded jealously.

Under divine inspiration, Muhammad became the greatest promoter of learning. No man in human history has upheld the importance of education as he did. Although unlettered himself, he was the most educated drawing his knowledge from the creator himself. Indeed countless sayings of his are an eloquent testimony of this fact. To quote only a few 'Acquire knowledge because he who

you may soon have to appear before God and answer for your deeds. So beware, do not go astray after I am gone. O people, no prophet or apostle will come after me and no new faith will be born. Listen to me in earnest. Worship your God, say your prayers, fast during the month of Ramzan and give of your wealth in charity. All Muslims, free or enslaved, have the same rights and the same responsibility. No body is higher than the other unless he is higher in virtue. Feed your salves as you feed yourself, clothe them as you clothe yourself. Do not oppress them nor usurp their rights."

Perfection Personified:

Muhammad SAWS was endowed with multi-facet personality, versatile genius and was great on all counts there was not a role that he did not play and he played no role that was not played gloriously. Even as an orphan he was more of an asset than liability, as a youth very reliable and enterprising, as a man custodian of all virtues, and as a leader commanding respect and confidence of all. He was a one man court, always in Session, always open to all who sought redress. In this court all were equal irrespective of rank caste, colour and creed. He lived as simply and austerely in the days of his greatest glory as in the days of his worst adversity. But his bounty was "boundless like the sea" giving away all he had to the

him Allah in His benign beneficience blessed mankind with the Holy Quran – a final and complete code of conduct for the human race valid till eternity. This indeed was the completion and consummation of the divine message beginning with Adam (Peace be upon him) demanding worship of, and obedience to, one and the only God and ushering in an era of Islamic way of life based on peace, justice, equality and universal brotherhood with tolerance as its key note. There is no compulsion in religion it declares. Islam is a multifacet splendour – a majestic fountain head of all virtues. There is no good which is not Islamic and there is no evil which is not unislamic. It was Muhammad (peace be upon him) who as far back as 1400 years, gave the world the first Charter of Human Rights. On the occasion of Hajat-ul-Wida, the last pilgrimage, he thus addressed the huge gathering in the Valley of Arafat :

> "O People, listen carefully to my words for I may not be among you next year, nor ever address you again from this pulpit. O People, just as you regard this month as sacred so regard the life and property of every muslim as a sacred trust. Return the goods entrusted to you to their rightful owners. Hurt no one so that no one may hurt you. Usury is forbidden. Satan has despaired of leading you astray in big things, so beware of obeying him in small things too. O People ! women have rights over you just as you have rights over them. Be good to them

Brahama, Vishnu, etc while the god of Jews did not have universal jurisdiction although he is believed to have created the whole world for only Israel and that too in six days...... Saturday being his rest day.

The plight of the people in Arabia was also pitiable. Divided into class and endless array of isolated tribes, invariably at war with one another, knew little of tolerance and forgiveness and often carried their acute passion for revenge and retaliation down to generations. Man was devoid of all respect and dignity, and human life had no value, with morals at their lowest ebb. The Message of God was ignored with impunity or defaced with falsehood. Idolatory, adultry, obscenity, cruelty and slavery were the order of the day. Women were treated like cattle with no social status or fundamental rights of their own. The birth of a girl was an ill omen and a great humiliation. She was often buried alive.

The last Prophet:

By the benevolence of Allah, the wish of Abraham was fulfilled. The good news given by Jesus was substantiated. God sent Holy Prophet Muhammad (SAWS) to grace and glorify the earth and to guide the mankind on to the path of truth, righteousness and peace." At last, as mercy for mankind, came the clarion call of Muhammad (Peace be upon him), the last of the prophets, sent as Rahmat-ulil-Alameen a blessing to the worlds, popular even among his enemies as "Al-Amin" the trusthworthy. Through

adjusted from time to time and the Bible was compiled and recompiled in different editions. Prophet Jesus (Peace be upon him) had proclaimed thus:

> "O Children of Israel I am the Apostle of God (sent) to you, confirming the Law (which came) before me, and giving glad Tidings of an Apostle to come after me, whose name shall be Ahmad." (61:6).

Earlier Prophet Abraham had beseeched God:

> "Our Lord send amongst them (Muslims) an Apostle of their own who shall rehearse Your Signs to them and instruct them in Scripture and Wisdom and sanctify them: For you are the Exalted in Might the Wise" (2:129).

Fate of Humanity:

That was the time when the whole world groped in darkness and ignorance. Innumerable gods and goddesses ruled the minds of Man. Even the elements like, water, air and fire, and animals like cows, serpents and scorpions were not spared as objects of worship, not to speak of the self made stone idols which were believed to decide their destiny. Some of the practices were horrifying. A wife had to join her dead husband on the burning funeral pyre to honour "Satti" an article of Hindu faith. A large chunk of population in India is still untouchables. The god of Hindus had incarnated himself into several gods,

He is blessed with Conscience, a built-in device to distinguish between good and evil, between right and wrong. Endowed with a miracle mind—his thoughts can wander through entermity and his mind can make "heaven of hell and hell of heaven". His body is a superb piece of mechanism made up of flesh, bone and blood, and provided with innumerable safety devices for his protection and well-being.

Divine Guidance:

How could the Divine Being, so meticulous in the making of man and his surroundings, he so oblivious as not to prescribe for him a code of conduct, a way of life, to fulfill His mission on earth. No sir, He has done it right from the day of "Man's first disobedience", since expulsion of Adam and Eve from the Garden of Eden. The conflict between their two sons, Habeel and Qabeel, culminating in the first murder on earth, as if lit the spark and highlighted the need of Divine Guidance for the human race. Thus a long line of prophets followed at various intervals for communicating the Message of God to mankind for their well being. Prophet Moossa (Moses), peace be upon him, received the Torat (Torah), the first written law of God, generally known as the Ten Commandments, which according to the Quran, was mercy and guidance for those who feared their Lord. Prophet Issa (JESIS CHRIST) Peace be upon him, the last of Bani Israel prohhets received the heavenly book Injeel (Gospel). His teachings were

MUHAMMAD (SAWS) AND THE MUSLIM UMMAH TODAY

Prof. B. K. Sheikh*

'BE' was the Divine Decree, and 'IT WAS,. Out of confusion chaos and darkness, thus came into being order light and lustre. The entire universe with the sun, the moon, the stars and our earth, comprising this glaxy and many others yet unknown to man, were created. Their complexion character and courses, with their respective orbits, were set with divine precision. The earth rotates at a fixed speed and revolves a round the sun at a planned distance with fantastic co-ordination and regularity. Look and wonder at the mysteries and marvellousness of His art. What a variety of plants and flowers—a riot of tastes, colour, and fragrance, all sprouting up from a filthy mixture of earth manure and water-a throbbing and pulsating life, infinite creatures big and small, with man as the prince of this glorious panorama. Born of a clot of blood, man himself is a wonderful piece of work, a masterpiece of mechanism and engineering skill, perfect in every detail.

*Retired Director, Education, Govt. of Sind.

MAQALAT-E-SEERAT

LIST OF CONTENTS (English Section)

وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین
مقالاتِ سیرت
چھٹی قومی سیرت کانفرنس
۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ / ۹-۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء
وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین
وزارت مذہبی امور ۔ حکومت پاکستان ۔ اسلام آباد